

أَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِي لَا يَسُرُّ بَعْدَهُ نَبِيٌّ

فتح باب نبوت پہلے حر دُرود
مختتم دور رسالت پہ لکھنول سلام



فدا یانِ ختم نبوت کا ترجمان

الْحَقُّ قُلُوبًا

صفر المظفر // جنوری ۲۰۱۲
۱۴۳۳ھ

شرح حدیث جنت علیہ ما فطر خادم حسین رضوی



أَنَا الْعَاقِبُ مِنَ الْعَالَمِ الَّذِي لَيْسَ عَجْزِي

فدایان جنت نبوت پاکستان کا ترجمان

جلد
5

شماره
1

العرب
مسلمنا
لاهور

شرح الحديث والتفسير استاذ الاساتذة

حضرت مولانا حافظ
علامہ
خادم حسین
جنوی

مفتی محمد اظہار رضوی

حافظ محمد سعد
محمد سعد
محمد سعد

محمد
وحید
نور
ملک



425

mahnamasqib@yahoo.com
mahnamasqib@gmail.com
sqibcomputer@yahoo.com

خط و کتابت
مع مسجد رحمتہ للعالمین

در سال ۱۳۰۲ هجری قمری در شهر شیراز و در پیرامون کیمیاخانه ملتان رودخانه و در



اکابر

غازی تیرے جانشین تیرے جانشین

4 جنوری 2011ء ایسا تاریخ ساز اور یادگار دن ہے جو ہماری دنیا تک یاد رہے گا۔ اس روز اسلام کے ایک عظیم سپوت غازی ملک ممتاز حسین قادری نے گورنری کے ذمہ میں جٹلا اذلی بد بخت کو توہین رسالت کی پاداش میں واصل فی النار کیا۔

اسی ”یوم جرأت و بہادری“ کی نسبت سے رواں برس پورے ملک میں بھرپور جوش و خروش دیکھنے میں آیا۔ ملک عزیز پاکستان کے طول و عرض میں غازی اسلام کی حمایت میں پروگرام اور حکومت وقت کے رویے کے خلاف احتجاجی مظاہرے ہوئے۔ ہر طرف سے ایک ہی مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ ”حکومت پاکستان غازی اسلام ملک ممتاز حسین قادری کو فی الفور باعزت رہا کرے۔“

ہم اس مطالبے کی بھرپور حمایت کرتے ہوئے یہ اضافہ بھی کرتے ہیں کہ ”حکومت غازی اسلام کو پاکستان کے سب سے بڑے سول و ملٹری اعزازات یعنی نشان پاکستان و نشان حیدر پیش کرے۔“ درحقیقت ان تمغوں سے غازی اسلام کو سرفرازی نہیں ملے گی بلکہ ان تمغوں کو غازی صاحب کی نسبت سے مزید شان عطا ہوگی۔

4 جنوری 2012ء کو لاہور میں داتا دربار کے سامنے تحفظ ناموس رسالت محاذ کے زیر اہتمام ”غازی اسلام کنونشن“ میں اہل اسلام کی جانب سے ماحول گورنر کا کام قیام کرنے کا سبب بننے والی

22 سپاس اقدیت سرگنج بخش حضور و افغان سید عرفان محمد رشتی

14 سیف اللہ حضرت خالد بن ولید مجاہد اللہ

3 منافق کی علامت دار واصل فی النار

43 غازی حسین قادری ممتاز شانی

30 شہداء ناموس رسالت کا قیام دار واصل فی النار

23 شیخ احمد سرہندی مولانا مفتی سید محمد احمد رشتی

64 وابستگان مہمان کے لیے کچھ فکر یہ دار واصل فی النار

63 ممتاز قادری سے خیراں تیریاں نہیں ہمارے سر پر

44 مرتد کے قتل پر تعزیت و انوس کا شرعی حکم میر محمد صدیقی

78 بزم اطفال مفتی شکیل احمد رشتی

74 پاکستان میں نیا امریکی جاسوسی نظام نصب سلمان احمد شاہی

72 دارالافتاء دار واصل فی النار

معلوم ہوتا ہے کہ مرکز میں موجود حکمران پارٹی کو بھی اچھی طرح احساس ہو گیا کہ جناب میں اس کے گورنر نے انتہائی فیصلے کا ارتکاب کیا تھا۔ اسی وجہ سے پورے ملک میں کہیں بھی پارٹی سطح پر اس کی موت کو ایک سال ہونے پر کوئی تقریب منعقد نہیں گئی اور نہ ہی کہیں مرکزی قیادت نے کوئی رد عمل دیا۔ گویا تو جن رسالت کے سبب پٹنہ پارٹی نے خود کو تاخیر خاندان سے آہستہ آہستہ الگ کر لیا ہے۔ ہاں ادو تین جگہوں پر ملک اکٹھے شہرورے ہیں لیکن ان کا اہتمام پارٹی سطح کا نہیں بلکہ محلی تھا لیکن ہمارے ہاں مکمل میڈیا نے ان کی کارکردگی کو دیکھ کر ہائی کے کھاتے میں ڈالنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

جہاں تک اللہ رب العزت کی بھی اپنی تدبیر ہوتی ہیں۔ اہل اسلام میں سے کوئی شخص فوت ہو جائے تو لوگوں کو اس کا ساتھ دینا اور اٹھنے فوت شدہ شخص کے لیے قرآن کریم کی تلاوت وغیرہ کر کے ایصال ثواب کرتے ہیں لیکن سابق گورنر کی موت کو ایک سال مکمل ہونے کے پر اس کے لواحقین و محبین موم بتیاں اور شیعین (آگ) جلانے نشانِ عبرت بنے کھڑے تھے۔ موت کے بعد قرآن کریم کن کے لیے پڑھا جاتا ہے اور آگ جلانے کون کھڑے ہوتے ہیں یہ اب مزید محتاج بیان نہیں۔ کاش! ایمانی آنکھوں والے اب ہی نصیحت حاصل کر کے راہِ راست پر آجائیں۔ ﴿فَاعْبُدُوا آلِ ابْنِ مَرْيَمَ﴾

ایک سال کی قید و بند کی صعوبتوں کے باوجود غازی اسلام ملک ممتاز حسین قادری اذیالہ جیل راولپنڈی میں پورے عزم و حوصلے اور جرأت کے ساتھ قید تہائی میں اپنے موقف پر زوال کی طرح شدت سے قائم ہیں۔ انہیں اپنے فعل پر نہ تو کوئی عداوت ہے اور نہ ہی ان کے پایہ استقلال میں کوئی لغزش آئی ہے۔ استدعا و ہشت گردی کی خصوصی عدالت کی جانب سے دوسرے سزائے موت سنائے جانے کے باوجود وہ خاصے پُر سکون ہیں۔

عدالتی احکامات کے مطابق غازی ممتاز قادری سے ان کے اہل خانہ ہر پندرہ دن بعد ملاقات کر سکتے ہیں۔ جیل کا کھانا حسب روایت مناسب نہ ہونے کی وجہ سے قید کی کوٹھری میں غازی صاحب اپنا کھانا خود

تے ہیں۔ جبکہ کھانے سے لیے راشن اور دیگر اشیائے ضروریہ ان کے ملاقاتی اہل خانہ پندرہ دن بعد ان کو پہنچاتے ہیں۔ غازی ممتاز قادری جیل میں زیادہ تر وقت تلاوت قرآن کریم اور محفل میلاد شریف کا انعقاد کر کے گزارتے ہیں۔ صبح و شام وہ نعت خوانی کی مجالس خود ہی سجاتے ہیں جبکہ ان کی قید تہائی کے سیل کے اہل خانہ ڈیوٹی دینے والے چار میں سے تین گارڈ بھی نعت خوانی کا آغاز کر چکے ہیں۔

قریبی ذرائع کے مطابق غازی ممتاز قادری جیل میں مکمل پُر سکون ہیں ان کی صحت بالکل ٹھیک ہے اور اہل قید تہائی کو عبادت میں گزارتے ہیں۔ ان کے اہل خانہ بھی مکمل طور پر پُر سکون اور مطمئن ہیں۔

غازی ممتاز قادری کے بھائی ملک دلپزیر اعوان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے غازی ممتاز قادری کے رسول ﷺ میں ڈوب کر کیے ہوئے اس فعل کے ذریعے ہمارے پورے خاندان کو جو وقار عطا ہے ہمیں اس پر فخر ہے اور قطعاً کوئی پریشانی نہیں۔ ممتاز قادری کے اہل خانہ کی ہر پندرہ دن بعد صرف نصف گھنٹے کے لیے ان سے ملاقات کروائی جاتی ہے۔ ملاقاتیوں کی جیل میں داخلے سے پہلے اور جیل کے اندر کئی مقامات پر سخت تلاشی لی جاتی ہے جبکہ ملاقات کے دوران بھی ایک سیکورٹی گارڈ مسلسل وہاں موجود رہتا ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ راہِ لپنڈی کے ممتاز عالم دین سید حسین الدین شاہ مولانا حنیف قریشی اور دیگر علماء کرام کے علاوہ لاہور سے مولانا خادم حسین رضوی اور حیدر آباد کے صاحبزادہ ابوالخیر زبیر نے بھی ممتاز قادری کے اہل خانہ سے فون پر مسلسل رابطہ رکھا ہوا ہے۔

غازی ممتاز قادری کے اہل خانہ کو اہل اسلام سے شکوہ تو صرف یہ ہے کہ اگر ایک عاشقِ رسول ﷺ کی حمایت میں پوری قوم سڑکوں پر نکل آتی اور بلند بانگ دعوے کرنے والے علماء اور مذہبی جماعتیں اپنا حق کما حقہ ادا کرتیں تو پاکستان اور اسلام کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں پر غلط نگاہ رکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتیں اور آئندہ اس جانب اٹھنے والے قدم وہیں رک جاتے۔



منافق کی علامات

(عن عبد اللہ بن عمرو ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اربع من کن فیہن کان منافقا خالصا ومن کان فیہ خصلۃ منہن کان فیہ خصلۃ من النفاق حتی یدعہا اذا اؤتمن خانا واذا حدث کذب واذا عاہد غدر واذا خاصم فجر) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص میں یہ چار باتیں ہوں گی وہ خالص منافق ہے اور جس شخص میں ان چار باتوں میں سے ایک بات ہوگی اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی یہاں تک کہ وہ اس کو چھوڑ دے ① جب ائمن بنایا جائے تو خیانت کرے ② جب بات کرے تو جھوٹ بولے ③ جب کسی سے کوئی عہد کرے تو عہد شکنی کرے ④ جب جھگڑا کرے تو بدزبانی کرے۔ (صحیح بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرو:

اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ خاندان قریش کی شاخ ”بنی سہم“ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے کبھی قریشی کہلاتے ہیں۔ بہت ہی صاحب مرتبہ صحابی ہیں۔ عالم حافظ قرآن بہت بڑے عابد و زاہد تھے۔ اپنے باپ حضرت عمرو بن العاص سے پہلے ایمان لائے اور ہجرت بھی کی۔ راتوں کو خوفِ الہی سے روتے روتے ان کی آنکھوں میں آشوب چشم ہو گیا تھا جس کے لیے ان کی والدہ سرمد بنایا کرتی تھیں۔

انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے حدیثوں کو لکھنے کی اجازت طلب کی تھی۔ عام طور پر حضور نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو حدیثیں لکھنے سے منع فرمایا تھا اور صرف قرآن کے لکھنے کا حکم دیا تھا تاکہ قرآن و حدیث میں خلط ملط نہ ہونے پائے مگر حضور ﷺ نے ان کو حدیثیں لکھنے کی اجازت عطا فرمادی تھی کیونکہ ان کی انتظامیہ حضور ﷺ

کو پورا پورا اعتماد تھا کہ یہ آیات و احادیث کو خلط ملط نہیں ہونے دیں گے۔ علم حدیث میں ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ اتنے نامور اور مشہور صحابی کی تاریخ وفات اور ان کی قبر شریف کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ ۶۳ھ میں اور بعض کا قول ہے کہ ۷۳ھ میں مگر مکہ مکرمہ کے اندر آپ کا وصال ہوا۔ بعض نے کہا کہ ۵۵ھ میں طائف کے اندر آپ کی وفات ہوئی اور بعض یہ کہتے ہیں کہ مصر میں ۶۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (زائد تعالیٰ) (علم) (اکمال و ارشاد الساری ج: ۱ ص: ۲۱۵)

شرح حدیث:

منافق کی دو قسمیں ہیں ① منافق اعتقادی ② منافق عملی۔ منافق اعتقادی وہ ہے کہ زبان سے اسلام کا اظہار کرتا ہو مگر اپنے دل میں کفر چھپائے ہوئے ہو۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں عبداللہ بن ابی وغیرہ منافقوں کی ایک جماعت تھی۔ یہ لوگ بظاہر کلہ پڑھتے تھے روزہ و نماز اور حج کے بھی پابند تھے مگر دل سے اسلام کے منکر تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے ایمان و عقیدہ میں ہی نفاق تھا۔ منافق اعتقادی کا فر بلکہ کافر سے بھی بدتر ہے۔ قرآن کریم کا فرمان ہے ﴿ان المنافقین لیس الذرک الا سفل من النار﴾ (نساء: ۱۳۵) یعنی منافق اعتقادی کو جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ڈال دیا جائے گا۔

منافق عملی وہ ہے جس کے ایمان و عقائد میں کوئی خرابی و نفاق نہیں ہوتا بلکہ وہ ظاہر و باطن میں مسلمان ہوتا ہے لیکن اس کے بعض اعمال اور خصلتیں منافقوں سے ملتی جلتی ہیں۔

اس حدیث میں جس منافق کی چار خصلتوں کا ذکر ہے اس منافق سے مراد منافق عملی ہے اور چاروں منافقانہ خصلتوں سے مراد منافقانہ اعمال و کردار ہیں اور وہ چار خصلتیں یہ ہیں: ① جب اس کو کوئی امانت سونپی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ ② جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ ③ جب کسی سے کوئی عہد کرے تو وفا کرے۔ ④ جب کسی سے کسی معاملہ میں جھگڑے تو گالیاں دے۔

بلاشبہ یہ چاروں خصلتیں ہر گز بہ کمزور مسلمان کی خصلتیں نہیں ہیں بلکہ یہ منافقوں کی خصلتیں اور گناہ کبیرہ

اس لہذا جس طرح ایک مسلمان کو کفر و شرک اور تمام گناہ کبیرہ سے بچنا ضروری ہے اسی طرح ایک مسلمان کو لازم ہے کہ منافقوں کے خصائص اور منافقانہ اعمال و کردار کی گندگی اور پلیدی سے بھی جو یقیناً رذائل ہیں اپنے آپ کو بچائے رکھے۔

فوائد و مسائل:

① اس بات پر تمام علماء امت کا اجماع و اتفاق ہے کہ یہ چاروں خصلتیں اگرچہ منافقوں کے خصائص اور نفاق کی علامتیں ہیں مگر اس کے باوجود اگر کسی صادق الایمان مسلمان میں یہ چاروں خصلتیں پائی جائیں تو اس کے بارے میں یہ کہنا تو درست ہے کہ اس شخص میں منافقوں کی عادتیں اور علامتیں پائی جاتی ہیں لیکن یہ ہرگز ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ یہ شخص منافق ہو گیا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ کسی شخص میں منافق کی عادت و علامت کا پایا جانا الگ بات ہے اور اس شخص کا منافق ہو جانا یا الگ بات ہے۔

② بعض شراح حدیث کا قول ہے کہ یہ ارشاد نبوی ﷺ ان منافقوں کے بارے میں ہے جو زمانہ نبوت میں تھے جو سب کے سب منافق اعتقادی بھی تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے فرمایا کہ ہم لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو حضور ﷺ نے مسکرا کر فرمایا کہ میں نے جو یہ چاروں خصائص بیان کئے ہیں وہ ان منافقوں کے بارے میں ہیں جن کے بارے میں خدا جساء ک المفسقون ہے کی وردہ نازل ہوئی ہے۔ کیا ان لوگوں کی جو حالت ہے وہی تمہاری بھی ہے؟ تو ہم لوگوں نے عرض کیا نہیں تو ارشاد فرمایا یہ حدیث تمہارے متعلق نہیں ہے۔ تم اس سے بری ہو۔ (بخاری ج ۱۰ ص ۲۵۹)

مذکورہ بالا روایت کی بناء پر حدیث مذکور میں حضور ﷺ نے اپنے زمانے کے منافقوں کی نشانیاں بیان فرمائی ہیں کہ ان لوگوں میں خیانت، جھوٹ و دغا، بد زبانی کی بری عادتیں اور گندی خصلتیں ہیں۔

بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ چاروں عادتیں بد سے بدتر خصلتیں ہیں لہذا ان گندی عادتوں سے ہر مسلمان کا بچنا انتہائی ضروری ہے۔ لیکن ایک مؤمن کے اندر منافقوں کی علامتوں اور نشانیوں کا پایا جانا اس کے ایمان پر اتنا گندہ اور گناہ مند ہے کہ بغیر توبہ و ترک کے ساقوں سمندر بھی اس کو نہیں اٹھ سکتے۔

اب ان چاروں علامات نفاق کی کچھ تفصیل بھی ملاحظہ فرمائیے۔
● امانت میں خیانت:

پہلی علامت نفاق امانت میں خیانت کرنی ہے۔ یاد رکھیے کہ امانت ہر وہ چیز ہے جو کسی کی طرف سے کسی کو بخرش حفاظت سونپی جائے۔ امین امانت رکھنے والے کی اجازت کے بغیر اور اس کے خشاء کے خلاف امانت میں جو تصرف بھی کرے گا وہ خیانت کہلائے گی۔

اس سلسلے میں یہ بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ امانت صرف روپے پیسے یا سامانوں ہی کی نہیں ہوا کرتی بلکہ بات راز و مدداری وغیرہ بھی امانت ہیں۔ مثلاً آپ سے کسی نے کوئی راز کی بات کہہ دی اور آپ سے اس نے یہ بھی کہہ دیا کہ خبردار یہ بات امانت ہے آپ اس کو کسی سے ذکر نہ کریں تو یہ بات بھی امانت ہوگی اور آپ اس کے امین ہو گئے۔ اگر آپ نے اس بات کو کسی سے کہہ دیا تو آپ نے امانت میں خیانت کی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مال، عقل، اختیار، آکھ، کان، ہاتھ پاؤں وغیرہ جسمانی اعضاء اور قسم قسم کی طاقتیں سونپ کر حکم دیا ہے کہ میری ان امانتوں کو میرے حکم کے مطابق استعمال کرنا۔ ان سب امانتوں میں بھی اگر خداوندی حقوق کو ادا نہیں کیا ہے تو یہ بھی خیانت ہی کہلائے گی۔ اسی لیے قرآن مجید میں رب العالمین کا فرمان ہے ﴿ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسؤولا﴾ (بنی اسرائیل: ۳۶) یعنی کان، آنکھ، دل ہر چیز کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی کہ خدا کی ان امانتوں میں کوئی خیانت تو نہیں ہوئی۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ ﴿المستشار مؤتمن﴾ یعنی جس شخص سے کوئی مشورہ لیا جائے وہ امین ہو جاتا ہے مگر اس نے جان بوجھ کر غلط مشورہ دیا تو وہ خیانت کرنے والا کہلائے گا۔

غرض "خیانت" کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ تمام حق داروں کے حقوق بھی امانت ہیں کسی حقدار کا حق نہ ادا کرنا بھی امانت میں خیانت ہے۔ بستر جماع پر میاں بیوی کی گفتگو اور معاملات، یہ بھی امانت ہیں۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے امین ہیں اگر کسی نے اس راز کو فاش کر دیا تو یہ بھی امانت میں خیانت کہلائے گی۔ ملازم اپنی دیوثی کا عالم سے لے کر اپنے فرائض کا امین ہے۔ اگر ملازم نے اپنی دیوثی پوری نہیں



مشرقی وسطیٰ خصوصاً مصر، لیبیا اور یمن کے بعد اب شام میں بھی حکومت مخالف تحریک زور پکڑ چکی ہے۔ ان تحریکوں کا پس منظر کیا ہے اور اسلامی ممالک میں ہی ایسی تحریکیں کیوں زور پکڑ رہی ہیں؟ ان کے جواب اہل فہم سے پوشیدہ نہیں۔ بہر کیف ان ممالک میں اقتدار سے چمٹے رہنے کی خواہش لیے حکمران اپنی کرسی کو دوام دینے اور عوامی تحریک کو کچلنے کے لیے ہر جائز و ناجائز حربوں کو آزماتا رہے ہیں۔ حتیٰ کہ اقتدار کو طول دینے کی خاطر نام نہاد اسلامی حکمران شعائر اسلامی کی واضح توہین سے بھی باز نہیں آئے۔

گزشتہ ماہ شام کے قدیم تاریخی شہر حمص میں واقع جلیل القدر صحابی رسول عظیم سپہ سالار تاریخ ساز فاتح 'سیف من سیوف' اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک اور اس سے متصل مسجد خالد کے ایک حصے کو شامی صدر بشار الاسد کی حامی افواج نے شدید گولہ باری کر کے شہید کر دیا ہے۔ سرکاری افواج کا کہنا ہے کہ وہ اپنے راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو مٹا دیں گے۔ ان مقامات پر مزاحمت کا رچھپے ہوئے تھے لہذا انہیں نشانہ بنایا گیا ہے۔

اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق شام کے صدر کے خلاف اٹھنے والی اسی تحریک میں آٹھ ماہ کے دوران چار ہزار سے زائد افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔ ملکی افواج نے اپنی کارروائیوں میں مساجد، صحابہ و بزرگان دین کے مزارات، مدارس و عوامی عمارات کو ہلاک و برباد بنایا ہے۔

مصر و عرب خبر رساں قذافی 'العرابی' کی جانب سے جاری کی جانے والی ایک رپورٹ کے مطابق شام میں باغیوں کے گڑھ تصور کیے جانے والے شہر حمص میں سرکاری فوجوں کی گولہ باری سے جلیل القدر صحابی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مزار اور اس سے ملحق تاریخی جامع مسجد کا بیڑا زلزلہ کا ایک حصہ اور ایک دھواں ہو گیا ہے۔

حکومت کے خلاف برسرِ پیکار عوامی مزاحمتی تحریک کے ذرائع کا کہنا ہے کہ ایک معاندانہ کاروائی کے دوران شامی فوری سز کی جانب سے جانتے بوجھتے ہوئے عالم اسلام کے عظیم سپہ سالار اور جلیل القدر صحابی کے مزار مقدس کو نشانہ بنایا گیا کیونکہ انہیں شک تھا کہ مزار کے آس پاس باغیوں کے اہم مورچے موجود ہیں۔

انقلابیوں کی قائم کردہ 'جنرل انقلاب کمیٹی' کو ایک عینی شاہد نے بتایا کہ سرکاری فوج نے حمص میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مزار اور اس سے ملحق جامع مسجد خالد پر ٹینک سے تین گولے داغے دو گولے مسجد کے اسٹیل میں گرے جس کے نتیجے میں مسجد کا ایک حصہ شہید ہو گیا جبکہ ایک گولہ مزار میں گرا جس سے مزار کا ایک حصہ شہید ہو گیا۔ جب مقامی افراد اس بمباری کا جائزہ لیتے پہنچے تو شامی فوج نے ان پر فائر کھول دیا اور مسجد و مزار کی دیواریں گولیوں سے چھلٹی ہو گئیں۔

حمص کے مقامی ذرائع کا کہنا ہے کہ حضرت خالد کے مزار پر گزشتہ چار ماہ میں یہ دوسرا حملہ ہے۔ چار ماہ قبل بھی سرکاری فوج کی فائرنگ سے مزار اور مسجد خالد کو نقصان پہنچا تھا۔ اس موقع پر بھی اگرچہ فوجی طور پر سرکاری خبر رساں انجمنی 'مانا' اور شامی حکومت کی جانب سے اس کی تائید کی گئی تھی لیکن بعد ازاں آزاد ذرائع سے اس حملے کی تصدیق ہو گئی تھی۔

تاریخ اسلام میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی عظمت و کردار کو دیکھا جائے تو آپ شجاعت جواں مردی، حاضر و دائمی، پھرتی اور قوت تاثیر میں لامتناہی تھے۔ آپ کی کنیت ابو سلیمان لقب سیف اللہ اور خاندانی تعلق قریش مکہ کے شریف مال دار اور سردار گھرانے سے تھا کہ کے امیر ترین اور خوشحال گھرانے میں پرورش پانے کے باوجود سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے راحت و آرام کی بجائے ہمت و جواں مردی کی بات دہاں بخشی۔ قبول اسلام سے قبل صلح حدیبیہ تک کفار مکہ نے اہل اسلام کے خلاف جتنی جنگیں لڑیں اس میں آپ فریق مخالف کی جانب سے شریک رہے۔

بعض کتب تواریخ کے مطابق یکم صفر ۸ھ کو آپ خاتم الانبیاء و المرسلین رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں قبول اسلام کے لیے حاضر ہوئے۔ قبول اسلام کے پس منظر کے متعلق عباس محمود احمد و مصری نے لکھا

ہے کہ ”خالد (قبول اسلام سے قبل ہی) رسول اللہ ﷺ کے عسکری نظم و ضبط اور دفاعی حکمت و تدبیر سے متاثر ہوئے کہ نبی کریم ﷺ کی ولایت و ہستی ان کے دل میں گہر گئی جو بعد میں اسلام سے مشرف ہونے کا نقطہ آغاز بنی۔ عمرو القنناء کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے حضرت خالد کے بھائی حضرت ولید (جو ان سے قبل اسلام قبول کر چکے تھے) سے خالد کی بابت پوچھا اور ان کے قبول اسلام کے لیے وحافرائی۔ چنانچہ حضرت ولید نے اپنے بھائی خالد کو بذریعہ خط دعوت اسلام دی۔ عظمت رسول ﷺ تو پہلے ہی ان کے دل میں گہر کر چکی تھی اس لیے ایک ساتھی عثمان بن طلحہ العبدوری کو ساتھ لیا اور دونوں تلاش حق کے لیے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ چل پڑے۔ راستہ میں انہیں عمرو بن العاص ملے وہ بھی اسی ارادے سے مدینہ منورہ جا رہے تھے ساتھ ہو لیے۔ جب تینوں رسول مقبول ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پیش ہوئے تو نبی رحمت ﷺ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا ﴿دعکم مکہ با فلاذ کبداھا﴾ یعنی مکہ نے اپنے جگر کے کٹڑے (جگر گوشت) تمھاری جانب بھیج دیے ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت خالد نے بیعت کی اور بعد میں دوسرے ساتھیوں نے مکہ شہادت پڑھا۔ ”رضی اللہ عنہم

حضرت ولید رضی اللہ عنہ نے درج ذیل خط اپنے بھائی حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو قبول اسلام کی دعوت کے لیے روانہ فرمایا ”بھائی جان! میرے آقا دو جہاں کے مروارید شاہ امّ سلطان مدینہ ﷺ نے ایک روز مجھ سے پوچھا (تہنبا رہائی) خالد کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ ایک دن ضرور میرے بھائی کو آپ کے قدموں میں (قبول اسلام کے لیے) لے آئے گا۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ میرا ذہن و بہار بھائی اسلام بھی موت سے محروم رہ جائے۔“

سید عامر رحمہ اللہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی قبول اسلام کے بعد یوں تحسین فرمائی ”خالد! تمھاری عقل و دانش اور ہمت و فراست کی بناء پر مجھے بہت امید تھی کہ تم ایک نہ ایک دن ضرور اسلام قبول کر لو گے۔“ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ جن معرکوں میں میں نے اسلام کا مقابلہ کیا ہے ان کی مغفرت کی دعا فرمائی۔ مدینہ منورہ ﷺ نے فرمایا اسلام تمام سابقہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

اسلام کے اہدی و امن کرم میں آنے کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی تلوار جب بھی اٹھی اللہ و رسول ﷺ کے دشمنوں کے خلاف اٹھی اور جب بھی چلی مظلوموں اور بے کسوں کی حفاظت کے لیے ہی چلی۔ اگرچہ فٹون حرب میں آپ باقاعدہ کسی درگاہ کے تربیت یافتہ نہیں تھے لیکن قبل اسلام بھی میدان جنگ میں ان کی مہارت تذبذب اور صف آرانی پر عین نگہ رہ جاتی ہے۔ اسلام کی دولت نے تو سیف اللہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی ان صفات کو مزید چار چاند لگا دیے تھے۔ تقریباً تمام سوانح و تذکرہ نگاروں نے آپ کے اس کمال کا ذکر صرف اعتراف کیا بلکہ شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ ایک مؤرخ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ”خالد قیادت ہی کے لیے پیدا ہوئے انہوں نے قائد ہی کی حیثیت سے زندگی گزار دی اور ایک قائد کی طرح ہی اس جہان سے رخصت ہوئے۔“

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عہد نبوت، عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں مختلف معرکوں میں لشکر اسلام کی قیادت فرمائی اور مجیدہ القتل کارنامے سرانجام دیے۔ ہجادی الاولیٰ ۸ھ میں غزوہ موتہ میں یکے بعد دیگرے تین اسلامی سپہ سالاروں کے شہادت کے بعد پہلی مرتبہ لشکر اسلام کی قیادت آپ رضی اللہ عنہ نے سنبھالی۔ اس غزوہ میں آپ کفار کے خلاف اس قدر جواں مردی سے نبرد آزما ہوئے کہ آپ کے دست اقدس سے یکے بعد دیگرے 9 تلواریں ٹوٹ گئیں اور بالآخر ایک یمنی تلوار ہی باقی رہ گئی۔

نبی کریم ﷺ کو جب آپ کی اس جاننازی کا علم ہوا تو آپ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ”سیف اللہ (اللہ کی تلوار)“ کا لقب عطا فرمایا۔ امین امت سیدنا ابوبکر بن الجراح رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ﴿خالد سيف من سيف الله عز وجل ونعم هني العشرة﴾ ”خالد اللہ رب العزت کی تلواروں میں سے ایک تلوار اور اپنے قبیلہ کا بہترین جوان ہے۔“ ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا ﴿ان خالد سيف سله الله على المشركين﴾ ”خالد ایک ایسی تلوار ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے مشرکین پر سونپ دیا (تانا) ہے۔“

سوچا بھی ہے اے مرد مسلمان! کبھی تو نے کیا چیز ہے فولاد کی ٹھشیر جگر دار قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن یا خالد جانناز ہے یا حیدر کرار سیدنا خالد رضی اللہ عنہ 10 مسلمان المبارک 9ھ میں فتح مکہ کے موقع پر عساکر نبوت میں شامل تھے۔ فتح

مکہ کے پانچویں روز عزیٰ نامی بت کو نیست و نابود کیا۔ غزوہ حنین و طائف کے مواقع پر لشکر اسلام کے مقدّمہ الجوش کی قیادت فرمائی۔ ربیع الآخر 10ھ میں نبی کریم ﷺ نے اہل نجران کی جانب دعوت اسلام کے لیے آپ کو روانہ کیا، اہل نجران نے بخوشی اسلام کو قبول کیا اور دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے۔

خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سیف اللہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے داخلی و خارجی محاذوں پر جو زبردست خدمات سر انجام دیں وہ تاریخ اسلام کا ایک درخشاں باب ہیں۔ آپ نے پہلے جزیرۃ العرب کے سرکش مرتدین کے خلاف پھر روم و ایران (قبصر و کسریٰ) کے مقابلے میں حیرت انگیز جنگی کارنامے سر انجام دیے۔

مرتدین کے خلاف سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو افواج روانہ کیں ان میں سے ایک کی قیادت آپ نے فرمائی۔ اس فوج نے متنبی طلیحہ اسدی اور گستاخ رسول مالک بن نویرہ کی سرکوبی میں کامیابیاں حاصل کیں۔ طلیحہ اسدی بھاگ کھڑا ہوا اور مالک واصل چلنہم ہوا۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے متنبی میلہ کذاب کے خلاف جنگ یرامہ میں مرکزی کردار ادا کیا۔ شدید ترین جنگ کے بعد میلہ کذاب واصل فی النار ہوا اور اس کی قوم بنو حنیفہ داخل اسلام ہوئی۔

اسلام کے خلاف اس داخلی شورش کے آگے بند باندھنے کے بعد سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے خارجی شورشوں کا بھی محرم پر مقابلہ کیا اور مختلف علاقوں میں اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ باحسن طور پر سر انجام دیا۔ فتوح الشام میں بھی آپ کا مجاہدانہ کردار تاریخ کا اہم ترین باب ہے۔

خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی آپ خدمت اسلام میں وقف رہے۔ اسلام شرق و غرب میں اپنی حقانیت کے جھنڈے گاڑ رہا تھا اور مسلمانوں کو مسلسل فتوحات حاصل ہو رہی تھیں۔ حتیٰ کہ لشکر اسلام کے بعض سپاہی یہ گمان کرنے لگے تھے کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جہاد میں شرکت فتح و نصرت کی ضمانت ہے۔ اس سوچ کی جھٹک جب امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ رضی اللہ عنہ نے جنگ یرموک میں عین حالت جنگ میں سیف اللہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جگہ اثنین

الامت سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو لشکر اسلام کی قیادت کا حکم فرمایا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اس تدبیر کے پیچھے یہ حکمت کا رفا تھی کہ سب لوگ جان جائیں کہ فتح و نصرت صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور وہ جسے چاہتا ہے یہ اعزاز عطا فرماتا ہے۔

کتب سیر میں تصریح ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس تدبیر کے بعد سیف اللہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو فرمایا: **إني أريد أن أكون معك على الكرم**، **وأنك المي الحبيب**، اے خالد! تم میرے نزدیک بزرگ و محترم ہونے کے ساتھ ساتھ عزیز اور پیارے ہو۔ اس تہدیل قیادت کے ضمن میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مختلف شہروں میں جو مراسلہ ارسال فرمایا اس میں اس بات کی صراحت فرمادی تھی کہ خالد کو کسی ناراضگی یا انتقام کی وجہ سے نہیں بلکہ (مسیب الاسباب اللہ تعالیٰ سے نظر ہٹنے کے) فتنے سے بچنے کے لیے معزول کیا گیا ہے۔

قربان جائیے! سیف اللہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی اطاعت پر کہ انہوں نے امیر المؤمنین کے اس فیصلے و تدبیر پر کمال رضامندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بخوشی خود کو لشکر اسلام کی قیادت سے الگ کر لیا اور خود سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک سپاہی کی حیثیت سے اعلائے کلمۃ الحق کے لیے لشکر اسلام میں شامل ہو گئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر امیر لشکر سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ میں اپنی حمایت کا یقین دلایا کہ: **”آپ تو ائین الامت ہیں، مسابقون الاولون، کہ میں سے ہیں اس لیے مجھے آپ کی امامت پر فخر ہے۔ بخدا اگر امیر المؤمنین حضرت عمر ایک لڑکے کو بھی مجھ پر امیر مقرر فرمادیتے تو میں اسی طرح اس کی بھی اطاعت کرتا۔ آپ کے مرتبہ کو تو میں کس طرح پہنچ سکتا ہوں؟ میں نے اپنی جان اور ساز و سامان سب کچھ با خدا میں وقف کیا ہوا ہے اس لیے میرے واسطے امیر لشکر یا سپاہی ہونا سب برابر ہے۔“**

اسی جنگ یرموک میں رومیوں کی تعداد اڑھائی لاکھ اور مسلمانوں کی تعداد تقریباً چھیالیس ہزار تھی۔ اس جنگ میں رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار رومیوں نے پاؤں میں جیڑیاں ڈال رکھی تھیں تاکہ بھاگنے کا خیال تک نہ آئے اور ہزاروں پادری صلیبیں لیے ان کو جوش دار ہے تھے۔ اس وقت کسی مسلمان نے

کہہ دیا کہ رومیوں کے مقابلہ میں ہماری تعداد بہت کم ہے۔ یہ سن کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا فتح و شکست سپاہیوں کی کثرت یا قلت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہے۔ ”اللہ کی قسم اگر میرے گھوڑے کے ستم درست ہوتے تو میں رومیوں کو کھٹا کھٹا ہی تعداد اپنی اور بڑھا لوں۔“ (پھر تائید الہی کے مناظر بھی دیکھو)

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جنگ یرموک کے بعد بھی بہت سی جنگیں لڑیں کسریٰ کی طاقت کو توڑا، قیصر کے تکبر کو پاش پاش کیا۔ آپ نے اپنی ساری عمر شہادت کی تمنا میں میدان جہاد میں بسر کی گویا موت کی تلاش میں میدان جہاد میں گمنان رہے لیکن وہ نہ آئی۔ بالآخر 21/642ء جب وقت وصال قریب آیا تو آپ بزدلوں کو لیری کا یہ سبق پڑھا رہے تھے کہ میں ستیکڑوں جنگوں میں ہر موقع محل پر راہ خدا میں اپنے محل اور شہادت کا متمنی رہا ہوں۔ میرے پورے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں جس میں تلوار نیزہ یا تیر کا زخم موجود نہ ہو۔ میں نے خود ہار یا موت کو میدان جنگ کے گوشہ میں تلاش کیا مگر مجھے وہ وہاں نہ ملی اور نہ ہی شہادت نصیب ہوئی۔ آج بستر پر ہوں تو وقت وصال قریب ہے۔ خدا بزدلوں کی آنکھ کو (راہ خدا میں موت کے بعد اللہ سے ملنے کی کلفت سے آشنا کرے۔ بزدلوں کو کبھی چین نصیب نہ ہو۔

اہل اللہ نے فرمایا ہے کہ سیف اللہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی شہادت کی تمنا اس لیے قبول نہ ہو سکی کہ وہ اللہ رب العزت کی تلواروں میں سے ایک تلوار تھے اور اللہ تعالیٰ کی تلوار کو کوئی توڑ نہیں سکتا۔

بوقت وصال اللہ رب العزت کے اس شیر کا کل اٹھنے، حیات اسلحہ اور سواری کا گھوڑا تھا جس کے متعلق آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا اسلحہ اور سواری کا گھوڑا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے وقف کر دیا جائے۔

خلیفہ وقت امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان جملوں سے خراج تحسین پیش کیا ”حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی وفات سے اہل اسلام میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جو نہ ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔“ ”اللہ ابو سلیمان پر رحم فرمائے۔ وہ ہمارے گمان کے عین مطابق تھے۔“ اللہ کی قسم! خالد دشمنوں کے سینوں کے لیے سیدھا تیر اور دوستوں کے لیے بڑے نرم دل تھے۔“ خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا خالد کی جرأت و بہادری کو دیکھ کر فرمایا تھا ”عورتیں (مائیں) خالد جیسا سپہت جنم دینے سے عاجز آگئیں۔“

تجدہ علیٰ العالمین میں درج اس واقعہ سے سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ جو ان کا تلواروں میں سے ایک تلوار تھے۔ آپ جس میدان جنگ میں تشریف لے جاتے اپنی مخصوص ٹوپی سر پر ضرور رکھتے تھے اور ہمیشہ فتح پانکرا لہ لیتے تھے۔ کبھی شکست کا منہ نہ دیکھتے تھے۔ ایک مرتبہ جنگ یرموک میں جبکہ میدان جنگ گرم ہو رہا تھا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی ٹوپی گرم ہو گئی، آپ نے لڑنا چھوڑ کر ٹوپی کی تلاش شروع کر دی۔ لوگوں نے جب دیکھا کہ تیر اور پتھر برس رہے ہیں، تلوار اور نیزے اپنا کام کر رہے ہیں۔ موت سامنے ہے ۱۱/۱۱ء عالم میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اپنی ٹوپی کی لگرا لقا ہے اور وہ اسی کو ڈھونڈنے میں مصروف ہیں تو انہوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جناب ٹوپی کا خیال چھوڑیے اور لڑنا شروع کیجیے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کی بات کی پروا نہ کی اور ٹوپی کی بدستور تلاش جاری رکھی۔ آخر ٹوپی ان کو مل گئی تو انہوں نے خوش ہو کر کہا کہ بھائیو! جانتے ہو مجھے یہ ٹوپی کیوں اتنی عزیز ہے؟ جان لو کہ میں نے آج تک جو جنگ بھی جیتی اسی ٹوپی کے طفیل۔ میرا کیا ہے سب اسی کی برکتیں ہیں۔ میں اس کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ لوگوں نے کہا آخر اس ٹوپی میں کیا خوبی ہے؟

آپ نے فرمایا اس میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر انور کے بال مبارک ہیں۔ جو میں نے اس ٹوپی میں ہی رکھے ہیں۔۔۔۔۔ یہ ٹوپی اب میرے لیے جملہ برکات و فتوحات کا ذریعہ ہے۔ میں اسی کے صدقہ میں ہر میدان کا فاتح بن کر لوٹا ہوں۔ پھر بتاؤ! یہ ٹوپی اگر نہ ملتی تو مجھے چہاں کیسے آتا؟

یہ بات کس قدر افسوسناک ہے کہ شامی سرور بخارا ۱۱۱۱ھ در اس کے نام اپنے دنیاوی اقتدار کو جیتانے کی خاطر ملت اسلامیہ کی ان درخشاں نشانیوں کی پاسداری گئی نہیں کر رہے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک پر حملہ کسی غیر مسلم فوج نے نہیں بلکہ خود شامی فوج نے کیا ہے۔ اس سے بھی زیادہ افسوسناک امر یہ ہے کہ ۱57 اسلامی ممالک کے مشترکہ پلیٹ فارم او آئی سی (O.I.C) یا کسی بھی ملک نے انفرادی طور پر بھی ایک مذمتی بیان جاری کرنے کی کلفت نہ گوارہ نہیں کی۔



نام و نسب: غوث المتقین، قطب العارفین، شیخ الاسلام والمسلمین، امام ربانی، مجدد الف ثانی، قدس سرہ
کا نام نامی اسم گرامی احمد، القاب بدر الدین، کنیت ابوالبرکات اور منصب خزینۃ العلوم، قیوم زمان، مجدد الف ثانی
ہے۔ آپ حنفی ائمہ سب ہیں اور آپ کا طریقہ "نقشبندیہ مجددیہ" کہلاتا ہے۔

خاندان: آپ کا خاندان زہد و تقویٰ اور بزرگی و پرہیزگاری کی شاندار روایات کا حامل تھا۔ آپ کے
والد تہذیب العرفاء شیخ عبدالاحد جلیل القدر عالم و فاضل اور چشتیہ قادریہ، مہرودیہ سلسلوں کے صاحبِ مجاز و
خلیفہ تھے۔ حضرت امام رفیع الدین جیسے باکمال ولی اور خدا رسیدہ بزرگ جو کہ سرہند کے بانی بھی ہیں آپ
کے جدِ ششم ہیں جن کا سلسلہ 8 واسطوں سے سرشت شیخ شاپہ الہی، فرخ شاہ امیر کامل سے اور
28 واسطوں سے امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خلیفہ دوم سے ملتا ہے۔

آپ کے جدِ ششم قدوة العارفین امام رفیع الدین علوم ظاہری و باطنی کے جامع اور عارف کامل تھے۔
آپ نے تقریباً چار سو مشائخ کبار سے استفادہ کیا اور آخر میں موضع اُچ علاقہ ملتان میں غوث وقت قطب
عالم حضرت مخدوم سید جلال الدین بخاری جہانیاں رحمہ اللہ سے کسب فیض فرمایا اور آپ کے تصفیہ اکمل ہوئے۔
تاریخ بتاتی ہے کہ جب حضرت مخدوم جہانیاں بخاری اسے کامل تشریف لائے تو حضرت امام رفیع الدین جہانیاں کو
بھی اپنے ہمراہ ہندوستان لے آئے۔

سرہند: یہ جگہ دہلی کے شمال مغرب میں ۲۰ فرسنگ کے فاصلہ پر اور لاہور کے مشرق میں ۳۳ فرسنگ
پر واقع ہے۔ اس کا اصل نام سرہند (یعنی شیروں بھرا جنگل) ہے جو آبادی سے پہلے ایک وحشت ناک جنگل
تھا۔ فیروز شاہ ٹپکی کے عہد میں اس اُگل سے محال شاہی خزانہ لایا اور سے دہلی لے جا رہے تھے۔ حال میں



رب کعبہ کی عطا ہے ذات داتا گنج بخش
خلق کی فرمانروا ہے ذات داتا گنج بخش
تحفہ رب اعلیٰ ہے ذات داتا گنج بخش
منظہ صدق و صفا ہے ذات داتا گنج بخش
عزیز جود و سخا ہے ذات داتا گنج بخش
بے ہوس کا آسرا ہے ذات داتا گنج بخش
غم زدوں کی دل کشا ہے ذات داتا گنج بخش
پاکی ہر اک گمراہ ہے ذات داتا گنج بخش
فیض کا اک در کھلا ہے ذات داتا گنج بخش
دین حق کی نیا ہے ذات داتا گنج بخش
تا ابد قبلہ نما ہے ذات داتا گنج بخش
آگاہی جن کا بھلا ہے ذات داتا گنج بخش
ایک پیغام تھا ہے ذات داتا گنج بخش
کہہ رہی یہ برط ہے ذات داتا گنج بخش
قلب مرده کی جلا ہے ذات داتا گنج بخش
مرحبا صد مرحبا ہے ذات داتا گنج بخش
آج بھی جلوہ نما ہے ذات داتا گنج بخش
الغرض، "مہجور" قصہ مختصر تم بھی کہو
منظہ نور خدا ہے ذات داتا گنج بخش

داتا گنج بخش، فیض عالم، مظہر نور خدا
"ناقص" را غیر کامل کلاماں را رہنما
فیض عالم کی بدولت یہ عمر آباد ہے
پیکر حق و صداقت، معدن رشد و ہدایت
آستان سید جوہر، منبع کرم
بے سہاروں کی پناہ گاہ یہ در اقدس کہو
بے نواؤں کو سکون ملتا ہے اس دربار سے
سید جوہر کا دامن ہے غربت کا تکلیل
لطف کی خیرات ملتی ہے یہاں صبح و سہا
روشنی اسلام کی بخشی جہان کفر کو
ن پرستوں کے لئے مینارہ نور یقین
خوش عقیدہ، با ادب عشاق داتا کے ہیں سب
بدعقیدہ، بے ادب، مستعار حقیقہ کے لئے
غائب و خاسر رہے گا جو کوئی بد خواہ ہے
مرکز انوار کے نور سے روشن جہاں
اس وطن کی در حقیقت بادشاہ و حکمران
آن بھی فیضان داتا شامل احوال ہے

ایک عارف کامل تھا جس نے اپنی جسم باطن سے دیکھا کہ اس جنگل میں 'ایک نور ہے جو تحت العری سے فوق العرش محیط ہے' خیال کیا اس مقام پر کوئی بزرگ حسی ظاہر ہوگی۔ چنانچہ یہ عارف کامل دہلی پہنچے تو حضرت سید جلال الدین بخاری سے اس کا ذکر کیا۔ مخدوم صاحب نے جو بادشاہ کے پیر تھے بادشاہ سے کہا کہ ہمارے خاندان میں ایک نور ہے۔ یہ بات مشہور ہے کہ ہندوستان میں زمانہ رسالت کے ایک ہزار سال بعد ایک بزرگ پیدا ہوا جسے جو جبرجت اسرار تھے اس کے وہ چہرہ دھت اور فیضان نبوت سے مالا مال ہوں گے۔ اس کے ظہور کا مقام جلال جنگل میں معلوم ہوا ہے تو اگر وہاں کچھ آبادی ہو جائے تو اچھا ہے۔

بادشاہ نے اپنے وزیر خواجہ فتح اللہ کو اس کام کی اجازت دے کر لے کر امور فرمایا۔ وہ کئی ہزار افراد کو لے کر اس جنگل میں پہنچے اور ایک مقام بلند پسند کر کے قلعہ کی تعمیر شروع کر دی۔ مگر یہ عجیب بات تھی کہ جس قدر عمارت دن بھر میں تیار ہوتی شب کو وہ خود بخود منہدم ہو جاتی تھی۔ ہر چند تجسس کی گئی مگر عمارت کے منہدم ہونے کا سبب معلوم نہ ہوا۔ بالآخر وزیر موصوف نے بادشاہ کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے اپنے پیر مخدوم سید جلال الدین ؒ کی خدمت میں سارا ماجرا بتایا۔ حضرت مخدوم صاحب نے حضرت امام رفیع الدین کو جو وزیر موصوف کے برادر تھے سر ہند کی ولایت و قطیعت عطا فرما کر اس کام کی تکمیل کے لئے مامور فرمایا۔ امام رفیع الدین نے اپنے نور باطن سے معلوم کیا کہ پیادوں نے بیگار میں حضرت شاہ شرف الدین بولی قلندر ؒ کو بھی تعمیر کے کام میں لگا رکھا ہے۔ عمارت کا منہدم ہونا انہی کے تصرفات سے ہے۔ حضرت امام رفیع الدین نے حضرت بولی قلندر سے پیادوں کی اس حرکت کا معذرت کی اور ان کا اعزاز و اکرام کیا۔

حضرت بولی قلندر نے فرمایا یہ سب کچھ میں نے تم کو یہاں لانے کے لئے کیا تھا 'اللہ نے آپ کو یہاں ایک قلعہ کی ولادت کا سبب بنانے کے لئے بھیجا ہے جو اسلام کو زندہ کرے گا اور کفر و شرک کی ظلمت کو دور فرمائے گا'۔ پھر دونوں صاحبوں نے مل کر ۶۷ھ میں قلعہ کی بنیاد رکھی۔ اجہ بہت بلند تیار ہو گیا۔ بادشاہ کو تعمیر کی تکمیل کی اطلاع دی گئی تو بادشاہ نے اس قلعہ کو حضرت امام رفیع الدین کی تحویل میں دے دیا اور اس طرح حضرت مجدد صاحب کے خاندان اور قریش کے دوسرے قبیلوں سے یہ شہر آباد ہو گیا۔

تا آنکہ ۹۷۱ھ شب جمعہ ۱۵ اشل کی وسعت ہوا جس میں امام ربانی محبوب سبحانی 'مجدد الف ثانی' نے بروج دور سے محسن عالم میں قدم رنج فرمایا۔ آپ کی ولادت باسعادت کے وقت آٹھ غیر معمولی واقعات کا ظہور ہوا جن کی تفصیل روضہ قیومہ میں مسطور ہے۔

علوم ظاہری:

حضرت مجدد صاحب کی عمر لائق درس ہوئی تو سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے والد محترم شیخ عبدالاحد سے جو ایک نامور فاضل بھی تھے درس نظامی کی تکمیل فرمائی اور والد محترم کی توجہ روحانی سے حدیث و فقہ 'تفسیر اصول' منطق و معانی میں مہارت تامہ حاصل اور ستر و سال کی عمر شریف میں فارغ التحصیل ہوئے۔

اگرچہ آپ نے بیشتر علوم اپنے والد محترم ہی سے حاصل کیے مگر اس کے بعد دیگر علوم علامہ کمال الدین کشمیری سے اور کتب احادیث کی سند علامہ محمد یعقوب کشمیری شیخ الحدیث سے حاصل کیں۔ علامہ محمد یعقوب 'حضرت شیخ محمد حسین صاحب خوارزمی کے خلیفہ تھے۔ علم تفسیر و حدیث کی سند آپ نے حضرت قاضی بہلول بدشتانی ؒ سے بھی حاصل فرمائی جو حضرت شیخ الحدیث ابن فہد کے تلمیذ تھے اور جن کے آباء اجداد بلاد عرب کے کبار محدثین میں شمار ہوتے تھے۔

غرض کہ علوم عالیہ اسلامیہ کی تکمیل کے بعد آپ مسند ہدایت پر متمکن ہوئے۔ اگر وہ اکبر آباد و دیگر شہروں میں تبلیغ دین فرماتے رہے۔ صد باطلہا نے آپ کے حلقہ درس میں شامل ہو کر درس نظامی کی تکمیل کی اور فیوض و برکات روحانی حاصل کر کے دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہو گئے۔

علوم باطنی:

علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد حضرت مجدد الف ثانی نے علوم باطنی کے حصول کی طرف توجہ فرمائی اور اپنے والد محترم خواجہ عبدالاحد ؒ سے فیوض و برکات روحانیہ حاصل کیے۔ عبادت و ریاضت میں مصروف رہے اور انہوں نے آپ کو اسرار و حقائق خلافت عطا فرما کر اپنا جانشین مقرر کیا۔

خلافت نقشبندیہ:

حضرت مجدد رحمہ اللہ کو مدت سے سروسیاحت کو نکلنے اور ملک کے مشہور بزرگان دین سے استفادہ کرتے ہوئے حج بیت اللہ و روضہ نبوی ﷺ پر حاضری کا شوق و امن گیر تھا مگر والد محترم کی سن رسیدگی اس امر میں مانع رہی تا آنکہ جب ۱۰۰۷ھ میں آپ کے والد محترم نے وصال فرمایا تو حضرت مجدد صاحب گھر سے نکلے اور وہی پہنچے جوان دنوں بڑے بڑے عارفان حق کا محفل تھا۔ زمانہ طالب علمی کے ایک دوست مولانا حسن کشمیری سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے سلسلہ نقشبندیہ کے جلیل القدر بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کے کمالات صوری و معنوی کا ذکر کیا کہ آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے فردیگانہ ہیں اور آپ کی ایک نظر کیا اثر سے طالبوں کو فیض مل جاتا ہے۔

حضرت مجدد صاحب اپنے والد محترم سے سلسلہ نقشبندیہ و اکابر سلسلہ کے حالات سن چکے تھے کہ یہ وہ سلسلہ ہے جس کے مرشد اعظم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جو افضل الخلائق بعد از انبیاء ہیں جو خلیعہ بلا فصل ہیں۔ اس لئے آپ کا میلان سلسلہ نقشبندیہ کی طرف تھا۔ مختصر یہ کہ حضرت مجدد صاحب حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ کسی کو از خود طریقہ نقشبندیہ کے حصول کی طرف متوجہ نہیں فرمایا کرتے تھے لیکن یہ شرف حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ کو حاصل ہوا کہ مرشدِ کامل نے خلاف عادت چند روز خانقاہ میں قیام کے لئے ارشاد فرمایا۔ حضرت مجدد صاحب نے ایک ہفتہ قیام کا وعدہ کیا لیکن رفتہ رفتہ ایک ماہ دو ہفتہ قیام کی نوبت پہنچ گئی۔ حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ نے حضرت باقی باللہ رحمہ اللہ کی طرف کشش محسوس کی اور آپ پر شوقِ انابت اور طریقہ خواجگان کے حصول کا غلبہ ہوا تو آپ نے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ نے آپ کو بکبر و عرضِ خلوت میں طلب فرما کر مرید کیا۔ ذکر قلبی تعلیم فرمایا۔ حضرت مجدد صاحب کا قلب ذکر ہوا اور تمام فیوض و برکات سلسلہ حاصل ہو گئے۔

چند دن بعد جب حضرت باقی باللہ رحمہ اللہ نے حضرت مجدد صاحب کے اندر کارِ رشد و ارشاد و استعداد

کامل معاند کیے تو خلوت میں آپ سے وہ حالات و واقعات بیان فرمائے جو ایک سال قبل پیش آئے تھے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "میرے مرشد خواجہ محمد آدم ملکنی رحمہ اللہ نے مجھ سے فرمایا کہ تم ہندوستان جاؤ۔ وہاں تم سے اس سلسلہ شریفہ کا رواج ہوگا۔ میں نے ازراہ تواضع عرض کی سرکار میں اس کا اہل کہاں ہوں؟ مرشد نے فرمایا استخارہ کرو۔ میں نے استخارہ کیا تو دیکھا کہ: "ایک طوطی شاخ پر بیٹھا ہے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ یہ طوطی اگر میرے ہاتھ پر آ بیٹھے تو مجھے سفر میں کشاکش حاصل ہوگی۔ اس خیال کے آتے ہی وہ طوطی میرے ہاتھ پر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنا لعابِ دہن اس کے منہ میں ڈالا اس نے میرے منہ میں شکر ڈالی۔"

صبح کو یہ واقعہ میں نے مرشد کی خدمت میں عرض کیا تو انہوں نے فرمایا: "یہ طوطی ہندوستان کا ہے۔ تمہارے دامنِ تربیت سے ایک ایسی ہستی نکلے گی کہ ایک عالم اس کے نور سے منور ہوگا اور تم کو فائدہ ہوگا۔" میں نے خواب میں ایک بڑا چراغ روشن دیکھا تھا۔ ایسا چراغ جس کی روشنی ساعت بساعت بڑھتی گئی اور لوگوں نے اس سے بہت چراغ روشن کئے۔ جب سر ہند آیا تو اس کے قرب و جوار میں بہت سی مشعلیں روشن دیکھیں یہ روشن چراغ بھی تم ہو۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ نے فرمایا "شیخ احمد آقا بے است کہ مثل ماہر راں ستارہ ہا در سایہ اؤم اند۔" الغرض حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کی خدمت ہائرت میں رہ کر حضرت مجدد صاحب نے تمام منازل ایقان و عرفان طے فرمائے اور اپنے مرشد برحق کے حکم کے مطابق سر ہند تشریف لے آئے اور تربیت طالبین و ہدایت سالکین میں مشغول ہو گئے۔

اپنے شیخ سے خرقہ خلافت و انابت حاصل کرنے کے بعد حضرت مجدد صاحب نے اپنی زندگی کو دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے وقف کر دیا۔ ہزاروں کو راہِ ہدایت دکھائی اور سینکڑوں کو علم و عرفان کے جام پلائے۔ راہِ حق میں آپ کو بادشاہ وقت تک سے مکر لیتی پڑی اور قلعہ گوالیار میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت فرمائیں مگر ان مصائب و آلام کے باوجود آپ نے حق کی حمایت اور باطل کی سرکوبی کو اپنا شعار بنائے رکھا۔

شہشاہ اکبر نے اپنی سیاسی مصلحتوں کی بنا پر متحدہ قومیت کے نظریہ کو اپنایا۔ ہندو و دیگر رسومات اعتقادات کو

اسلام میں داخل کر کے ایک نئے مذہب دین الہی اکبر شامی کی بنیاد رکھ دی۔ ظاہر ہے کہ جو برائی ارباب اقتدار کی طرف سے برپا کی جائے وہ بہت جلد پھیل جاتی ہے۔ اکبر اس دنیا سے کوچ کر گیا مگر اس کی پھیلائی ہوئی گمراہیاں بدستور جاری ہیں۔

جناب مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جب دیکھا کہ اسلامی اصول اور اسلامی تہذیب کی جگہ فاشی، بحریائی و بی حیائی و گمراہی رواج پاری ہے تو آپ اس کے تدارک کے لئے میدان میں اترے۔ تھوڑے ہی عرصہ کی مدخلیوں تبلیغ کا اثر یہ ہوا کہ عوام کے علاوہ امراء سلطنت بھی آپ کے حلقہ ارادت میں آ گئے۔ شامی لشکر میں بھی آپ کا اثر و رسوخ دن بدن بڑھتا گیا جس کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ آپ نے حضرت شیخ بدیع الزمان رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا خلیفہ بنا کر لشکر شامی میں لوگوں کی ہدایت کے لئے مقرر فرمایا۔

یہ زمانہ جہانگیر کے عہد حکومت کا تھا۔ مصاحبوں نے جب دیکھا کہ حضرت مجدد صاحب کا اثر و رسوخ بڑھ رہا ہے تو انہوں نے شہنشاہ کو بدظن کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

بادشاہوں اور حاکموں کے کان عموماً بہت کچھ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے جی حضور یوں کے کہنے سننے پر بعض اوقات بلا تحقیق یقین کر لیتے ہیں جس کی وجہ سے ملک افتراق و انتشار کا شکار ہو جاتا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جہانگیر کے جی حضوری وزیر اعظم آصف جاہ نے ایک دن موقع پا کر دربار جہانگیری میں عرض کی، حضور یہ رویش اپنی چادر سے ہار پاؤں پھیلائے گا ہے۔ پہلے تو مجددی بنا تھا مگر اب اس کے دماغ میں حکومت کی تشاؤچکیاں لے رہی ہے۔ اس نے نہ صرف آپ کے قدیم دشمن عبداللہ خان ازبک سے ساز باز کر رکھی ہے بلکہ اعیان سلطنت سے سازش کر کے لشکر سلطانی کو بھی اپنے زیر اثر لانا شروع کر دیا ہے تاکہ موقع پا کر بغاوت کر دے۔

جہانگیر یہ سن کر لال چیلایا ہو گیا اور آصف جاہ کے مشورے سے حضرت مجدد صاحب کے مرید اور معتقد امراء خاں کو دکن خاں خاں لودھی کو مالوہ، سید صدر جہان کو پورب، خاں اعظم کو گجرات اور مہابت خاں کو کابل وغیرہ دور دراز ممالک میں صوبیدار بنا کر بھیج دیا اور اس کے بعد حضرت مجدد صاحب کو دربار شامی میں آنے کا پروانہ جاری کیا گیا۔ جب آپ دربار میں پہنچے تو آپ نے سلام شامی اور سجدہ تعظیم نہ کیا۔ بادشاہ

کے مصاحبوں نے آداب شامی کی طرف متوجہ کیا تو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے پاؤں بلند فرمایا کہ یہ پیشانی آبی تک غیر اللہ کے سامنے نہیں جھکی۔

آصف جاہ کو موقع مل گیا اور شہنشاہ سے کہا کہ آپ نے دیکھا کہ یہ شخص کس قدر سرکش اور باغی ہے۔ قصہ مختصر جی حضور یوں کی سازشوں کی بنا پر جہانگیر نے حضرت مجدد صاحب کو قلعہ گوالیار میں نظر بند کر دیا۔

عوام کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو مہابت خاں نے بغاوت کر دی۔ دریائے جملمہ پر مہابت خاں اور فوج سلطانی میں جنگ ہوئی اور بادشاہ قید ہوا مگر حضرت مجدد صاحب نے اپنے مریدوں اور تمام متعلقہ افراد کو لکھ دیا کہ میرا مقصد حکومت حاصل کرنا نہیں ہے میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ اس ملک میں اللہ کی بامقامی نہ ہو۔ الغرض مہابت خاں نے حکم مرشد کی تعمیل کی اور جہانگیر کو تین دن قید رکھ کر مجدد صاحب کی رہائی کے وعدہ پر دوبارہ تخت پر بٹھا دیا۔

اس کے بعد بہت سے ایسے واقعات رونما ہوئے جو جہانگیری ہدایت کا موجب بنے۔ جہانگیر سخت بیمار ہوا اور بیماری نے اس قدر طول پکڑا کہ ہر علاج ناکام ہوا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ فرما رہے ہیں کہ تم نے مجدد وقت کی توہین کی ہے اس لئے عذاب میں مبتلا ہو۔

اس پر جہانگیر نے فوراً آپ کو روبرو کر دیا اور آپ سے ملاقات کی التجا کی۔ حضرت مجدد صاحب نے چند شرطوں کے ساتھ بادشاہ سے ملاقات کو قبول فرمایا۔ وہ شرائط یہ ہیں: مجدد تعظیمی موقوف کیا جائے گا، پرستی کے احکام منسوخ کئے جائیں اور احکام شرع جاری کئے جائیں۔

وفات:

28 صفر 1034 ہجری بروز دوشنبہ یا سہ شنبہ آپ نے 63 برس کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کا مزار مبارک سرہند شریف میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ ضرورت ہے کہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کو عام کیا جائے اور ان کی سیرت و صورت سے عوام کو روشناس کرایا جائے۔





”میں نے ایک ملاقات میں جناح صاحب سے پوچھا کہ سب سے پہلے پاکستان کا تصور آپ کے ذہن میں کب پیدا ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ 1930ء میں۔“

یہ بات ایپن رنج، ایک انگریز مصنف نے اپنی کتاب ”IMMORTAL YEARS“ (لا فانی سال) میں لکھی ہے۔ اتفاق سے اسی برس علامہ اقبال نے بھی خطبہ الہ آباد میں تصور پاکستان پیش کیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ قائد اعظم کی پوری سیاسی زندگی کے تجربات و احساسات کا نچوڑ ایک بیان ہے جو انہوں نے 23 مارچ 1940ء کو لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے موقع پر ہزاروں افراد کے رو برو فرمایا تھا کہ ”میں نے اسلامی تاریخ و قانون کا بغور مطالعہ کیا ہے جس سے مجھے یہ خیال آتا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد ممکن ہے نہ قابل نہیں۔“

حقیقت حال یہ ہے جب 1926ء میں غازی عبدالرشید نے دہلی میں شان رسالت ﷺ میں گستاخی کے مرتکب، سوامی شرودھانند کو اس کی ہرزہ سرائیوں کے باعث واصل فی التارکیا تو بہت سے ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ حالات کہیں نیا رخ اختیار نہ کر جائیں۔ آگے چل کر 1929ء میں لاہور کی سرزمین پر ایک تاریخی واقعہ سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے سیاسی راستے جدا ہو گئے جب راجپال کے بدنام زمانہ رسالے کے متعلق عدالتوں میں کوئی تسلی بخش فیصلہ نہ ہو سکا اور غازی علم الدین شہید ﷺ نے اس مکیہ نہ فطرت کا کام تمام کر دیا۔

قائد اعظم اس مقدمے کی پیروی کے لئے علامہ اقبال کی تائید و تحریک پر لاہور تشریف لائے۔ اس سفر کے دوران انہیں نہ صرف پنجاب کے لیڈروں سے ملاقات کا موقع ملا بلکہ دونوں قوموں کے درمیان یکجہلی دہائی نہ آدمی منافرت اور اس کے پس منظر کا علم بھی ہوا۔

یہ جولائی 1929ء کی بات ہے۔ آپ کے موکل یعنی ملت اسلامیہ کے ہیرو کی پھانسی کی سزا اٹھال رہی۔ بمبئی سے لاہور آنے والا یہ عظیم قانون دان اب پوری قوم کی آزادی و بقا کا مقدمہ لڑنے پر کمر بستہ ہو گیا۔ ان کی باریک بین نگاہیں اور خداوند بصیرت، مستقبل کا ادراک پا چکی تھیں۔ دو ماہ کے غور و تدبر اور تاریخی مطالعہ سے ان کے گوشہ ذہن میں ایک علیحدہ اسلامی مملکت کا نقش ابھر آیا جو آہستہ آہستہ پختہ ہوتا گیا۔ اقبال مرحوم کی فلسفیانہ نگاہ برصغیر پاک و ہند میں رونما ہونے والے حالات و واقعات سے بیگانہ نہیں رہ سکتی تھی۔ ان کا خطبہ الہ آباد انہی خیالات کے سمندر کا مد جزر اور مختلف النوع افکار کے اتار چڑھاؤ کا حاصل ہے۔

شہیدانِ ناموس رسالت کے فکر و عمل کی اہمیت حضرت علامہ محمد اقبال کے اس مکتوب سے بھی اجاگر ہوتی ہے جو انہوں نے مسز محمد علی جناح کو 21 جون 1937ء، بھینہ خاص لکھا تھا۔ آپ کا یہ خط نہایت ہی طویل ہے۔ اس میں بین الاقوامی سیاست اور خصوصاً برصغیر پاک و ہند کے حالات پر تبصرہ کیا گیا تھا۔ ایک مقام پر علامہ صاحب لکھتے ہیں ”گزشتہ چند ماہ سے ہندو مسلم فسادات کا ایک سلسلہ قائم ہو چکا ہے۔ صرف شمال مغربی ہند میں ان تین ماہ میں کم از کم تین فرقہ وارانہ فسادات ہو چکے ہیں۔ ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے تو تین رسالت کی کم از کم چار وارداتیں پیش آچکی ہیں۔ تو تین رسالت کی ان چار وارداتوں میں ہر مجرم فی التارک کر دیا گیا۔ سندھ میں قرآن کریم نذر آتش کرنے کے واقعات بھی پیش آئے ہیں۔ صورت حال کا نظر غائر سے مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ان حالات کے اسباب مذہبی ہیں نہ معاشی، بلکہ خالص سیاسی ہیں و مسلمانوں کی اکثریت کے صوبوں میں بھی ہندو اور سکھوں کا مقصد مسلمانوں پر خوف و ہراس طاری کر دینا ہے۔“

غازی علم الدین شہید ﷺ کی میت کا حصول ایک ایسی ایمان افروز جدوجہد تھی جس نے پوری قوم کا زادیہ نگاہ بدل کر رکھ دیا۔ اس سے متاثر ہو کر حضرت علامہ اقبال نے سوچا کہ ”علم الدین شہید کمپنی“ کے پرچم تلے جو کارکن اور اخبار نویس اکٹھے ہوئے ہیں ان کی قوتوں کو اس طرح بروئے کار لایا جائے کہ وہ ملکی سیاست میں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ میں مددگار ہو سکیں، بالخصوص مسلمانان پنجاب کے حقوق کی

اس تحریک میں کوئی قابل ذکر کارنامہ سرانجام نہ دے سکے۔ لیکن یہ چند روز کی تحریک نئے دور کا پہلا باب ثابت ہوئی۔ راجپال ایجنسی ٹیشن کے دوران میں کوچہ چاکسواراں کے کشی احمد دین نامی نے ایک پمفلٹ "امان اللہ کو کافر کہنے والا خود کافر ہے" لکھا۔ یہ افغانستان کے غازی امان اللہ خان سے متعلق تھا۔ اسے خدمت کشی کے رضا کار میاں نیاز احمد اور میاں محمد دین مختلف جگہوں پر چوری چھپے تقسیم کیا کرتے۔ غازی علم الدین کی شہادت کے بعد ان کی سرگرمیاں مزید بڑھ گئیں۔ پمفلٹ اور ایسے دیگر اشتہارات سے انگریزوں کو خاصی چڑھتی اور پریشانی رفع کرنے کی لئے یہ لٹریچر تقسیم کرنے والوں کی گرفتاری کے لئے خصوصی ٹیمیں مقرر کی گئیں۔ اس کے باوجود رضا کاروں نے ایک مدت تک حکومت کی ناک میں دم کئے رکھا۔

غازی علم الدین شہید ﷺ کی شجاعت و جوان مردی سے علیحدگی پسند اور انگریز و ہندو دشمن مجاہدوں کی ایک وافر تعداد پیدا ہو گئی۔ بلکہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو مزید ہوگا کہ تحریک تحفظ ناموس و رسالت ﷺ اور غازیان دین و ملت کی جاں فشانیوں سے پورے برصغیر میں افق سیاست پر انمٹ اثرات مرتب ہوئے۔ راجپال ایجنسی ٹیشن اور غازی علم الدین کی شہادت سے یہ ثابت ہو گیا کہ ہندو مسلم کسی ایک ملک میں امن و امان سے نہیں رہ سکتے۔ حصولِ نفس کی جدوجہد سے سیاست کا پانسہ بالکل الٹ گیا۔ ذی اثر ارباب سیاست کا انداز فکر اسی دوران میں بدلا اور بہت سے مسلم اکابرین کا گھر گھر اور دیگر جماعتوں کو خبر ہوا کہ یہ لگے۔ ان واقعات سے جنم لینے والا علیحدگی کا جذبہ ہی دو قومی نظریے کی روح ہے۔

اگر پاک و ہند کی تاریخ پر ناقدانہ نظر ڈال جائے تو ایک بات جو ابھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اسی دن ہی ہندوؤں سے ذہنی طور پر علیحدگی اختیار کر لی تھی جس دن پہلی بار آریہ سماج کے موسس سوادی دیا نند سرسوتی نے پیغمبر اسلام ﷺ کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس تناظر میں کئی اور ناقابل تردید ثبوت اور حیرت انگیز حوالے بھی ہم پہنچتے ہیں۔

مسلم کشی کی ترغیب سوادی دیا نند سرسوتی کے ناپاک عزائم کی ابتدا تھی۔ ایک اشارے پر پورے ہندوستان میں مذہبی فسادات کے دروازے کھل گئے۔ 13 جنوری 1925ء کے روزنامہ "ملاپ"

حفاظت کے لئے۔ چنانچہ انہی کے مشورے سے چاکسواراں کا ایک اجتماع منعقد ہوا اور کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس کمیٹی کا نائب المین یہ تھا کہ پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی چھپن فیصد ہے اس لئے انہیں تمام جمہوری دواؤں میں چھپن فیصد عیارت دلائی جائے۔ اس تجویز نے فوراً عوامی رنگ لے لیا۔ ہر طرف چھپن فیصد کا غلغلہ ہوا۔ عام صاحب اس میں براہ راست تو شریک نہیں تھے لیکن جس پر وہ رہنمائی کرتے رہے۔

یاد آ رہا ہے کہ 19 نومبر کے اخبار میں ملک لال دین قیصر کے نام اپیل شائع کی گئی تھی۔ اس کے دوسرے دن ہی "انقلاب" کی ایک خبر جو جلی حروف میں شائع ہوئی اس کی چند سرخیاں یہ ہیں "کانگریس کو مسلمانوں کا آخری اٹنی ٹیبلہ"۔ "لاہور میں حفاظتِ حقوق کی مہم شروع ہو گئی"۔ "علم الدین کمیٹی کے مجاہدوں کا نیا میدان عمل اور کوڑا قیام"۔ 19 نومبر کی شام کو مہدیا مسجد سالک کے زیر صدارت دفتر "انقلاب" میں جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں مسلمانوں کے جملہ حقوق کے لیے قربانی پر آمادہ رہنے کا حلف اٹھایا گیا اور حفاظتِ حقوق کے لیے "چھپن فیصد کمیٹی" "چھپن فیصد کمیٹی" کی مجلس عاملہ تشکیل دی گئی جس کے ارکان درج ذیل تھے۔ سید عبدالقادر پروفیسر اسلامیہ کانج، ملک لال دین قیصر شیخ غلام مصطفیٰ حیرت، ملک عبدالجلیل ایڈیٹر مسلم آؤٹ لٹ، عبدالجلیل قریشی، محمد دین تاثیر پروفیسر اسلامیہ کانج، شمس الدین حسن ایڈیٹر خادو، میر عزیز الرحمن اور مسز امام علی تائز شرمسوی۔

اس جماعت کا دفتر کوچہ چاکسواراں میں قائم کیا گیا۔ شیخ غلام مصطفیٰ حیرت ان دنوں کوچہ چاکسواراں میں رہتے تھے اور ملک لال دین قیصر بھی قریب ہی کوچہ کئے زبیاں میں رہائش پذیر تھے۔ شیخ غلام مصطفیٰ حیرت کی یہ بیٹھک اس زمانے میں شعر و سیاست سے دلچسپی رکھنے والے باغی قسم کے نوجوانوں کا مرکز ہوا کرتی تھی۔ شیخ غلام مصطفیٰ حیرت، مشن سکول کے سامنے مسجد فضل الہی کے نیچے سینٹری کی دکان کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی یہ دکان نوجوانوں کا مرکز ہوتی اور شام کو اندرون کوچہ چاکسواراں میں ان کی بیٹھک میں یہ سب نوجوان جمع ہوتے تھے۔ اسی بیٹھک سے اپنے وقت کا مشہور ادبی ماہنامہ "فردوس" جاری ہوا۔

اس سلسلے میں انکا ٹیمیں کی چھپن فیصد حقوق کمیٹی کی سرگرمیاں چند روز کے اندر ہی سرد پڑ گئیں اور کارکن

میں ایک متعصب ہندو رہنما کا بیان چھپا: ”پس اگر ہندوستان کو کبھی آزادی ملی تو یہاں ہندو راج قائم ہوگا۔ بلکہ مسلمانوں کی شہرہ اور افغانستان کی فتح وغیرہ کے آدرش بھی پورے ہو جائیں گے۔“

دسمبر 1936ء کے ”طلوع اسلام“ میں کانگریس پارٹی (بنگال) کے رہنما ڈاکٹر رادھا کرشنی کی ایک تقریر کا اقتباس شائع ہوا۔ مذکور نے آل انڈیا ہندو ویدک یوتھ کانفرنس لاہور کے خطبہ صدارت میں کہا تھا: ہندوستان کو نظر بیاور عمل دونوں لحاظ سے ایک ہندو اسٹیٹ ہونا چاہیے جس کا کچھ ہندو جس کا مذہب ہندو اور جس کی حکومت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہو۔“

5 مارچ 1938ء کو روزنامہ ”آریہ مسافر“ کے ادارے میں لکھا گیا: ”ملکی اور مذہبی نقطہ نظر سے مسلمانوں کو ویدک دھرم اور ویدک تہذیب کے نزدیک لانا از حد ضروری ہے۔ جب تک مسلمان سرزمین حجاز کے عاشق ہیں، عرب کی سرزمین اور کھجوروں پر جان نثار کرتے ہیں اور محرم کو گلوگ پر ترجیح دیتے ہیں وہ ہندوستان سے محبت نہیں کر سکتے۔ اس لئے ملک میں ایک قوم پیدا کرنے کے لئے لازمی ہے کہ ہم ویدک دھرم کا پیغام جلد از جلد ان تک پہنچائیں۔“

روزنامہ ”پرتاپ“ میں واضح طور پر لکھ دیا گیا تھا کہ اس ملک میں حکومت عددی اکثریت پر موقوف ہے۔ اس لئے شہرہ کی تحریک ہندوؤں کے لئے موت و حیات کا مسئلہ ہے۔ مسلمان ایک ”تہذیبی اکثریت“ سے مات کر دہ کی تعداد تک پہنچ چکے ہیں۔ عیسائی چالیس لاکھ ہیں اور ملک کے بائیس کروڑ ہندوؤں کی وجہ سے بے دست و پا ہو کر رہ گئے ہیں۔ اگر ان کی تعداد یونیونی بڑھتی رہی تو نہ جانے کیا حشر ہوگا۔ شہرہ کی تحریک بنیادی طور پر مذہبی تحریک ہے مگر اس کے دوسرے مضمرات نے تمام ہندوؤں کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ دوسروں کو بھی اپنے مذہب میں قبول کر لیں۔

ہندو پرپس اپنی قوم کو بڑی شد و مد کے ساتھ ترغیب دے رہا تھا کہ جس طرح انگلستان انگریزوں کا ہے، فرانس فرانسیسیوں کا اور جرمنی جرمنوں کا۔ اسی طرح ہندوستان ہندوؤں کا ہے۔ اگر ہندو منظم ہو جائیں تو وہ انگریزوں اور ان کے پٹھو مسلمانوں کو مغلوب کر سکتے ہیں۔ ہندوؤں کو اپنی دنیا آپ پیدا کرنی ہے جو شہرہ

اور سکھوں کے سہارے پروان چڑھے گی۔ ہندو اُسیا کے حامی و داعی اخبار ”جنگ انڈیا“ کے ایک آرٹیکل میں لکھا گیا: ”مسلمان یا تو عرب جلد آوروں کی اولاد ہیں یا وہ لوگ ہیں جو ہم میں سے تھے اور اب ہم سے الگ ہو چکے ہیں۔ اگر ہمیں اپنا وقار قائم رکھنا ہے تو ہمیں صرف تین طریقے اختیار کرنا پڑیں گے۔

① مسلمانوں کو اسلام سے الگ کر کے ان کے پرانے دھرم پر واپس لایا جائے۔

② اگر یہ ممکن نہ ہو تو ان لوگوں کو ہندوستان میں رعایا بنا کر رکھا جائے۔

③ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو مسلمانوں کو ان کے اپنے قدیم علاقے میں واپس بھیج دیا جائے۔“ ڈاکٹر کوکل چند نارنگ نے ایک کتاب **The Real hindu ism** لکھی تھی۔ اس میں ویدوں کی روح پیش کرنے اور اصل ہندو عقیدہ پیش کرنے کی سعی کی گئی۔ کتاب میں سوامی دیناندا کا وہ بیان بھی شامل ہے جو مذکور نے ہستمرگ سے جاری کیا کہ ”مسلمان اپنی حدوں کو عبور کرتے جا رہے ہیں لہذا اے ہندوؤ! کب تک غفلت کی نیند میں کروٹیں لیتے رہو گے۔“

سوتری دیوی نے 1939ء میں ایک کتاب ”A WARNING TO INDIA“ میں لکھا تھا کہ ”جب میں بنگال میں کسی واڈھی والے کو ایک خاص لباس اور رتہ کی ٹوپی سجانے دیکھتی ہوں تو مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ یہ شکلیں تو قاہرہ اور بغداد میں پائی جانی چائیں۔ یہاں کہاں وارد ہوئیں؟“

1944ء میں ایک اور کتاب ”CAST AND OUT CAST“ منظر عام پر آئی۔ مصنف کا نام J.E.SANJANA ہے۔ سنجانے مشہور کانگریسی لیڈر کے۔ ایم۔ منشی کی زبان سے نقل کیا ہے کہ ”ہم ہندوؤں نے اپنے برہمنوں کی عنایت سے مسلمان بادشاہوں کو بھی اچھوت ہی جانا اور ان کے حق میں بھی تمدنی عدم تعاون جاری رکھا۔ دن بادشاہ کے دربار میں گزار کے جب ہمارے بزرگ گھر پہنچتے تھے تو بدن کو پوتر کرنے والا اشراف فرماتے تھے۔“

پروفیسر بلراج دھوک نے مارچ 1946ء میں اپنی کتاب ”HINDUSTAN ON THE CROSS ROAD“ جو لاہور سے شائع میں لکھا تھا ”ہندوستان تو مذہب و ادیان کی ری پبلک

یہاں تعصب نام کی کوئی شے نہیں۔ یہ ہندو مسلم مناقشہ آغا فاشم ہو سکتا ہے بشرطیکہ مسلمان چاہیں۔
ابے مفرغہ ہے جس میں مسلمانوں کو یہ بتایا جائے کہ انہیں چاہیے کہ غیر ہندی نام نہ رکھیں۔ غیر ہندی
باقی باہر کی زبانیں چھوڑ دیں۔ غیر ہندی تمدن ترک کر دیں۔ غیر ہندی اکابر اور ہیروؤں کو آئیڈیل نہ بنائیں
بلکہ فقط ہندوستان کے ہندو بہادروں کو اپنا تاریخی اچھا چاہیں۔ اگر مسلمان یہ ذرا سی بات مان لیں تو سارا
جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔

پروفیسر نے انہماں ناموس کرتے ہوئے مزید لکھا تھا کہ جس طرح ہم نے مہاتما بدھ کا بت بنایا اور
اس طرح ہندوؤں کے بتوں سے بدھ مت والوں کی نفرت دور کر کے آخراں کو ہندو مت میں ضم کر لیا، اسی
طرح ہم نے (نعوذ باللہ) حضرت محمد ﷺ کا بت کیوں نہ بنا کے مسجدوں کے سامنے اور مندروں کے
مقابل رکھا؟ ہمیں ایک ہزار برس قبل یہ کوشش شروع کرنی چاہیے تھی۔ چلے ابھی سے آفاذ کر دیجئے تاکہ
مسلمان حضرت محمد ﷺ کو پوجتے پوجتے ہمارے بتوں سے بھی محبت کرنے لگیں اور پھر بدھ مت کے
ماننے والوں کی طرح ہم میں گم ہو جائیں۔ پھر اگر نیت یہ ہو کہ مسلمان تو م کو بے نشان کر کے چھوڑنا ہے تو
وہاں مسلمان تو م کی مسجدوں کو کیوں آباد اور باقی رہنے دیا جائے؟ یہی کچھ بتین والوں نے کیا تھا۔ یہی کچھ
مشرقی یورپ کے مسیحی روشن ضمیروں نے کیا تھا۔ یہی کچھ یہودی مسجد اقصیٰ کے ضمن میں کر رہے ہیں۔

ایک ہندو لیڈر کہا کرتا تھا: ”جب شرمی کے ذریعے تمام مسلمان ہندو ہو جائیں گے تو ہماری آزادی
کے راستے میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہو سکتی۔“

بعض وجوہات کی بنا پر اس سے متوقع نتائج برآمد نہ ہو سکے۔ شرمی تحریک کی یہ کارگزاری ہندو عوام اور
خواص دونوں کے لئے غیر تسلی بخش تھی۔ ان کے صبر کا پیمانہ چھٹک پڑا اور شرمی کی بنیاد پر سنگھٹن کی عمارت
اٹھائی گئی۔ اس کا باقاعدہ آغاز 1923ء میں ہوا۔ سنگھٹن کا اصل قائد ڈاکٹر موہنجے تھا۔ HISTORY
OF FREEDOM MOVEMENT کے صفحہ 257 تا 261 پر اسی موضوع کو زیر بحث لایا گیا
ہے۔ ان تاریخی دستاویزات کے مطابق ہندوؤں کو یہ احساس دلایا جاتا تھا کہ 70 ملین مسلمان 220 ملین

ہندوؤں کے لئے شدید خطرہ ہیں اور مسلمانوں کی تعداد میں اتنی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے کہ اگر وہ اسی رفتار
سے بڑھتے رہے تو ساڑھے چار سو سال بعد ہندوستان میں ایک بھی ہندو نہ رہے گا۔ اس لئے ہندوؤں کو اپنا
دفاع کرنے اور ہٹانے کے لئے مسلح ہو جانا چاہیے۔

سنگھٹن کے تحت ایسے مراکز قائم کئے جاتے تھے جہاں ہندو نوجوانوں کو روزش و کشتی کے علاوہ جوڈو
کراٹے اور لاشیوں اور خنجروں کا استعمال سکھایا جاتا تھا۔ اسی تنظیم کے کارکن ہندو مسلم فسادات کرواتے اور
مسلمانوں پر حملہ کرنے میں پیش پیش رہتے۔

ایک موقع پر ڈاکٹر مونجے نے واضح الفاظ میں کہا تھا: ”تم اس وقت تک مسلمانوں کو ہندو بنانے میں
کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم ثابت نہ کرو کہ تمہارے جسموں میں جان ہے۔“

مسٹر گاندھی ایسے ہندو لیڈر کا زادیہ نگاہ بھی دراصل نہایت متعصبانہ تھا۔ اس طرز فکر کی ایک مثال ان کا
وہ خط ہے جو ایک انگریز مسٹر اردن کے نام لکھا گیا۔ ازاں بعد اس کا ٹکس موثر جریدے ”اسٹیمین“ میں
بھی شائع ہوا۔ ”غلط یا صحیح“ گانے کی پوجا ہندو فطرت میں داخل ہے اور مجھ کو اس سے کوئی مفر نظر نہیں آتا کہ
عیسائی اور مسلمان ایک طرف ہوں، ہندو دوسری طرف، اور ان کے درمیان اس مسئلے پر نہایت متعصبانہ اور
خونی جگہ ہو..... لیکن ہندوستان کے طول و عرض میں ایک ہندو بھی ایسا نہیں جس کو یہ توقع نہ ہو کہ وہ ایک
دن اپنے ملک کو گاؤ کشی سے پاک کرے گا۔ مگر میں یہ جانتا ہوں کہ ہندو مذہب کے مزاج کے خلاف وہ اس
سے بھی در بلیغ نہ کرے گا کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کو بزور شمشیر گاؤ کشی کے ترک پر مجبور کرے گا۔“

ہر دیال سنگھ جو پہلی جنگ عظیم کے دوران غدر پارٹی کے قائدین میں سے تھا، ہندوستان پہنچا اور سنگھٹن
میں زبردست دلچسپی لینے لگا۔ اس نے برملا کہہ دیا: ”ہندو سنگھٹن کا مقصد ہندوستان میں ایک مضبوط طاقتور
شعبہ اور بیدار سیاسی جماعت کی تشکیل ہے جو ایک آزاد ہندو ریاست پر مبنی ہوگی۔ مثلاً سنسکرت و ہندی
زبان، ہندو مینے، ہندو قومی لیڈروں کا احترام، ہندوؤں کے مقدس مقامات سے محبت اور ہندوؤں کی ثقافت
سے لگاؤ وغیرہ۔“

مومن لعل جھٹا گرنے لکھا: ”مسلمان اصحاب یا دیکھیں کہ گنوہتیا کرنے سے شدمی رکے گی نہیں بلکہ زیادہ زور شور سے ہوگی۔ شدمی ایک ایسا علاج ہے جس سے گنوہتیا رک سکتی ہے۔ مسلمانوں نے خود ہی انداز لگایا ہے کہ دو کروڑ ایسے مسلمان ہیں جو ارتداد کی چوکھٹ پر کھڑے ہیں۔ اگر یہ سب شدہ ہو جائیں تو کیا گنوہتیا بہت حد تک کم نہ ہو جائے گی؟ ہندو یقین رکھیں کہ شدمی سے ہی گاؤ کشی رکے گی یا بینک ان تہذیب و درووں کی دوا ہے۔ یہی ان کی مشکل کشا ہے۔“

شروہاند کا منصوبہ یہ تھا کہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو جن کے باپ دادا ہندو تھے شدہ کر کے دوبارہ ہندو بنالیا جائے۔ بنابرین مشہور کانگریسی لیڈر راج گداریں مٹھی نے کھلم کھلا اعلان کیا کہ بغیر شدمی کے ”ہندو مسلم اتحاد“ نہیں ہو سکتا۔ جس وقت سب مسلمان شدمی ہو کر ہندو ہو جائیں گے تو اس ہندوستان میں سب ہندو ہی ہندو ہوں گے۔

ایک مدت سے مسلمانوں کو غیر ملکی حملہ آور ”ڈاکو“ جرائم پیشہ اور ضرر رساں مخلوق قرار دیا جا رہا تھا۔ شروہاند کے بیٹے کا ایک اخبار ”ارجن“ اور دہلی سے ”تیج“ اور گورکھنال وغیرہ بڑھ چڑھ کر اس آگ کو ہوا دے رہے تھے۔ اب انہوں نے عملی طور پر ایک اور قدم آگے بڑھایا۔

ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت پورے ہندوستان میں مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا گیا۔ ”پاکستان ناگزیر تھا“ میں ان واقعات کو بالتفصیل قلمبند کیا گیا ہے۔ ”1922ء میں محرم کے موقع پر سب سے پہلا بلوہ ملتان میں ہوا اور پھر بلوؤں کی بہار آگئی۔ ولی اللہ آباد لکھنؤ ناگپور جبل پور شاہجہان پور اور کوہاٹ میں بڑے بڑے ہنگامے ہوئے۔ پھر سوامی شروہاند کے قتل کے بعد ان کی تعداد بڑھی اور یوپی میں وں بلوے ہوئے۔ بمبئی میں چھ پنجاب سی پی بنگال بہار اور دہلی میں دودو..... لاڈلاروں نے 29 اگست 1927ء کو مرکزی مجلس واضعان قانون کے مشترکہ اجلاس میں جو ایڈریس دیا اس میں ان بلوؤں کا خصوصیت سے ذکر تھا۔ انہوں نے بتایا کہ اٹھارہ مہینے سے کم مدت کے اندر ان بلوؤں میں 250 آدمی قتل اور 2500 زخمی ہوئے۔ ڈاکٹر اسید کرنے 1920ء سے 1940ء تک کے بلوؤں کا اپنی

کتاب موسومہ ”پاکستان“ میں مفصل ذکر کیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی تھی۔ سو پہلی مئی 1929ء سے اپریل 1938ء تک مسلسل 210 روز ہنگامے ہوتے رہے۔ ان میں 560 آدمی قتل اور 4500 زخمی ہوئے۔ مارچ 1931ء میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کانپور کا ہنگامہ ہوا جس میں کم سے کم 500 آدمی ہلاک ہوئے۔

ایک اور جگہ مرقوم ہے ”مسلمانوں کی محرومیاں اور زیادہ بڑھ گئیں۔ پھر اس فوج (ہندوؤں) نے دو فیصلہ کن حملے کئے۔ ایک جان و مال پر دوسرا دین و مذہب پر۔ فساد روزمرہ کا معمول ہو گیا اور گامے گامے دل آزار کتاہیں بھی شائع ہونے لگیں..... قرارداد پاکستان کی مخالفت نے شدت اختیار کر لی۔ ہندو مہاسبا کے صدور سادو کرنے اپنے ناپے صدارت میں کہا کہ پاکستان ہندوؤں کے لئے خود کشی کے مترادف ہے۔ ہندوستان کی وحدت اگر قائم رہ سکتی ہے تو ہندوؤں کی عسکری تنظیم کے بل پر اور انہی کے زور بازو پر۔“

ہندو مہاسبا ایک اور اجلاس ہوا۔ اس کی کارروائی یکم جنوری 1944ء کے اخبار میں یوں چھپی: ”پاکستان کے زہر کا تریاق یہ ہے کہ ہر نو مسلم کو دوبارہ ہندو بنالیا جائے اور باقی مسلمانوں کی شدمی کر دی جائے۔ اگر یہ کام ہو گیا تو پھر پاکستان کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ اس جوش اور ولولے کے کئی نام ہیں۔ یہ نام ہم قافیہ تو نہیں مگر ہم وزن ضرور ہیں۔ کل یہ شروہاند مونیچے اور سادو کر کہلاتا تھا‘ آج اسے ٹیڈن اور کرجی کہتے ہیں۔ کل اسے دھوک اور گوالکر کہا جائے گا۔ جی ای تو کہتے ہیں کہ ہندو مذہب میں آدو گون برحق ہے۔“

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دو قومی نظریے کی بنیادام الکتاب قرآن حکیم سے پڑی جبکہ تقسیم ہند کا سب سے بڑا سبب گمراہ کن رسالہ ”سیتا رتھ پرکاش“ ہے۔ اس کتاب کے اثر سے آر بی ساج نے ختم لیا۔ شدمی اور سنگھن جیسی تنظیمیں اسی کا حصہ تھیں۔ لاہور سے شائع ہونے والا رسالہ عالم رسالہ اس قدر زہر آلود تھا کہ 12 اگست 1927ء کو دہلی میں مولانا محمد علی جوہر نے ”ہندوستان ناخنز“ کے نمائندے سے سوہر مد میں تنازعہ ہندو مسلم کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر راجپال ہائی کورٹ سے بری ہونے کے بعد معذرت شائع نہ

کرتا یعنی اس کتاب کو چھاپنے کا دودھ بارہ مرتب ہوتا تو میں اسے اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیتا۔

بلخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ شہیدان ناموس رسالت کی قربانیوں سے برصغیر کی فضا سے سیاست پر زوریں اثرات مرتب ہوئے اور انہی اسباب و واقعات کو دیکھ کر دو قومی نظریے کا عقیدہ نہ صرف مستحکم ہوا بلکہ مسلمانان ہند نے علیحدہ وطن کے قیام کی کوششیں شروع کر دیں۔

روزنامہ ”انقلاب“ لاہور نے 19 نومبر 1929ء کو ایک ادارہ پر دقلم کیا، جس میں ”علم الدین شہید کینی“ کی بہادری جو اس مردی کی تعریف کی گئی ملک لال دین قیصر اور ان کے رفقاء کی خدمات کو سراہا گیا۔ اس ادارے کا عنوان تھا ”ملک لال دین قیصر سے خطاب“ شہید علم الدین کی میت اہم سٹی“۔ چنانچہ ادارے میں لکھا تھا: ”آج ہم انتہائی دل سوزی کے ساتھ قیصر اور ان کے رفقاء سے عرض کرتے ہیں کہ وہ ملت اسلامیہ ہند کے زہرہ گداڑ مصائب پر بھی توجہ مبذول فرمائیں۔ مسلمان افتراق سے دوچار ہو چکے ہیں۔ فرقہ بندی میں اپنی حکومت کھو چکے ہیں۔ ان کی تعداد کم نہیں۔ ان میں ہمت و جرأت کا فقدان نہیں۔ ان میں قربانیوں کا جوش و خروش موجود ہے مگر ان کی ساری قوتیں خانہ جنگی میں ضائع ہو رہی ہیں۔ وقت نازک ہے۔ حالات اضطراب انگیز ہیں۔ ہندو متجدد اور قدم قدم پر فائدہ اٹھا رہے ہیں لیکن مسلمان متفرق و منتشر ہیں اور ہر جگہ نقصان و خسران سے جاہور ہے ہیں۔

گاندھی جی جو خود حریت حق سے بے بہرہ ہیں لیکن دنیا جانتی ہے کہ اس کی دعویداری، حریت مالویہ کی حکومت پرستی سے قطعاً شرمسار نہیں ہوتی۔ وہ مالویہ کے ساتھ پورا پورا اتفاق کرتے ہیں اور اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ موتی نہرو، جواہر لال نہرو، سری نواس آننگراہم تمام دوسرے ہندوؤں کی یہی حالت ہے۔ مگر کوئی ابوالکلام کسی محمد علی سے ملنے کے لئے تیار نہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ابوالکلام اور انصاری بھی جاہ حال ہیں اور ہندوؤں کی ہاں میں ہاں ملانے پر جی رہے ہیں اور محمد علی، اقبال اور شفیق کی تمام مساعی بھی بے نتیجہ اور بے اثر ہیں۔ کیا کوئی اللہ کا بندہ ان دریا گیز حالات کی درستی کے لئے اٹھے گا؟۔

آریہ سماجی تحریک کے پس منظر میں واصل مذہبی جوش و جون کا سخت ہنگامہ تھا۔ علاوہ ازیں

اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر میں بابو موہن رائے نے معاشرتی اور مذہبی اصلاحات کے پیش نگاہ کام شروع کیا۔ اس سے برہمن سماج پیدا ہوا۔ بابو موہن رائے کے بعد کیثب چند رائے نے اس کو اور آگے بڑھایا۔ نہ صرف یہ بلکہ بنگال کی طرح ملک کے دوسرے حصوں میں بھی ایسی تحریکیں نے زور پکڑا مثلاً پونا میں پراختیا سماج، اس کے لیڈر راجم جی رانا ڈے تھے۔

انتہا پسند ہندو تنظیموں اور شامتانہی نے خانہ کعبہ پر آریائی جھنڈا لہرانے اور گنبد خضرا کو (نعوذ باللہ) گرانے کی بات بھی کی۔ وہ کہتے تھے کہ ہمارا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو ہند سے باہر نکال دیں بلکہ ہم ان کا تعاقب کرتے ہوئے مکہ و مدینہ تک جائیں گے اور اسلام کو صفرِ ہستی سے مٹا دیں گے۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کا نہ صرف جغرافیہ بلکہ تاریخ بھی جدا ہے۔ عقائد مختلف، نظریات الگ، تہذیب علیحدہ، انداز معاشرت منفرد اور ذوقِ فکر میں فرق۔ ہمارے ہیروؤں کے دشمن اور ان کے دشمن ہمارے دوست۔ آقا ﷺ کے گستاخ راجپال اور رام گوپال جیسے یاوہ گوہندوؤں کے لیڈر اور ان کے برعکس ملت اسلامیہ ان مجاہدوں سے نسبت غلامی رکھتی ہے جنہوں نے شامتانہی کی ناپاک و غلیظ زبانیں کاٹ دیں۔ حکیم الامت علامہ اقبال کی سیاسی بصیرت اور مومنانہ فراست کا ہاں سا اشارہ اس خطاب سے بھی ملتا ہے جو آپ نے ابوالکلام آزاد وغیرہ کی ترک موالات کی حمایت پر مبنی تقاریر کے رد میں 21 نومبر 1920ء کو انجمن حمایت اسلام کے اجلاس میں فرمایا تھا۔ درویش لاہوری نے جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے رپورٹ پیش فرمائی اور مندرجہ ذیل مختاط الفاظ میں اظہار خیال کیا: ”میں ہمیشہ ہر معاملہ کو مذہبی نقطہ نظر سے دیکھتا ہوں اور جب تک کسی امر میں پورا پورا غور و خوض نہیں کر لیتا قطعی رائے قائم نہیں کرتا۔ میں مسلمانوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر وہ آج شریعت کے احکام پر نہ چلے تو ہندوستان میں ان کی حیثیت اسلامی نقطہ نظر سے بالکل تباہ ہو جائے گی۔“

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی، دینی غیرت اور عشق رسول ﷺ کی وجہ سے کسی طور بھی ہندوؤں سے اتحاد کے حامی نہ تھے۔ ان کو ہرگز یہ برداشت نہیں تھا کہ رسول عربی ﷺ کے نام لیا آپ ﷺ کی حرمت

و تو قیر کے دشمنوں سے مل بیٹھیں۔

ان کے متعلق ممتاز سمائی اور صوفی دانشور میاں عبدالرشید کالم نگار ”نور بصیرت“ (نوائے وقت لاہور) نے اعتراف حقیقت کرتے ہوئے لکھا ہے: ”گاندھی کی آمدی نے جو خاک اڑائی تھی اس میں بڑے بڑوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور چٹائی زائل ہو گئی مگر علامہ اقبال اور قائد اعظم کے علاوہ تیسری بڑی شخصیت جو اس شور و فوغا اور ہلچل بازی سے قطعاً متاثر نہ ہوئی حضرت احمد رضا خان تھے۔ آپ نے ان دنوں بھی اس بات پر زور دیا کہ ہمیں اپنی دونوں آنکھیں کھلی رکھنی چاہئیں۔ انگریز اور ہندو دونوں ہمارے دشمن ہیں۔

کا گھر کیسی مسلمانوں نے صرف اپنی ایک آنکھ کھلی رکھی تھی۔ وہ صرف انگریز کو اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ ان دنوں چونکہ سارے پریس پر ہندوؤں یا ہندو لوازموں کا قبضہ تھا۔ اس لئے حضرت احمد رضا خان بریلوی اور آپ کے ہم خیال لوگوں کے خلاف سخت پروپیگنڈہ کیا گیا اور بدنام کرنے کی مہم چلائی گئی۔“

ہندو رہنما اور آریہ سماجی لیڈر مذہبی تحریکوں کے پردے میں سیاسی جنگ لڑ رہے تھے۔ واقعات کا تسلسل شاہد ہے کہ قاضی عبدالرشید ہالوی کی شہادت سے دو قومی نظریہ کی اہمیت اجاگر ہوئی۔ غازی علم الدین شہید کی شہادت مسلمانان ہند کی زندگی کا آغاز ہے۔ غازی عبدالقیوم شہید کے لہو سے اقبال مرحوم نے پاکستان کی تصویر میں رنگ بھرا۔ غازی میاں محمد شہید غازی مرید حسین شہید غازی عبدالرشید شہید غازی امیر احمد شہید اور غازی محمد حنیف شہید وغیرہ کی ایمانی جرأت اس نظریاتی مملکت کی اساس ٹھہری اگر افسوس کہ ہم نے آزادی کے اصل پس منظر کو حوالہ غفلت کر رکھا ہے۔ میرا حاصل مطالعہ یہ ہے کہ آزادی کی غیر مترقبہ نعت ہمیں شہدائے رسالت کے طفیل ملی اور پاکستان ان کے قطرہ ہائے خون کا صلہ ہے۔

یہ بات بحوالہ 1930ء ایک انگریز مصنف کے چونکا دینے والے انکشاف سے شروع ہوئی تھی۔ غازی علم الدین علیہ السلام کی شہادت اور ہندو مسلم مذہبی منافرت کی وجہ سے قائد اعظم کے ذہن میں علیحدہ اسلامی ملک کا جو ابتدائی تصور پیدا ہوا وہ دھیرے دھیرے پختہ ہوتا چلا گیا اور بالآخر شہیدان ناموس رسالت کی والہانہ شہادتیں وسیع حیلہ سے یہ معاملہ نوشتہ تقدیر بن گیا اور یوں علامہ اقبال کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا۔



اچیاں نیچاں سوچاں والا ٹوں اے شیر جوان

ٹوں قرآن دا ٹمن والا ' دین اسلام دا مان

اپنی ہمت دے تال ٹوں تے بازو خوب ہمارے

نبی دا ٹمن مار کے ٹوں تے دے دکھائے تارے

بچ دی راہ تے کر پیٹے تے کچھ نہیں اوکھا رست

مدنی اسکول وچ پڑھن لئی ٹوں حق دا کھویا بست

عاشق پاک نبی دا ہو کے درد ہے سینے دکھ دا

جنت دی چا دیوے خبراں ' اک اک موتی اکھ دا

جو کچھ آج سے وچ ہندا دیکھ دیکھ کے رووے

سبھ منافق مار مکاؤے ' وس ہے تیرے تیرے

بھریا بھریا سوہنا کھڑا ' چڑھی عشق دی لالی

تیرے بخت اچیرے ہوئے ' دلیا لہو کالا

آہ کولوں دوری والا ' رکھیا پتھر پیٹے

ہر دم تیرییاں گھاں ہوں تے شہ

تیرے درجے پڑ جن ماواں صدیاں بعد

علم دین دے داگوں توں دلی سدا سن گوی

شادی دوں تینوں پیارے کچھ مبارک اداں

نوریاں ہوں ایس جگہ آئے دلی



اللہ رب العزت نے تمام اہل ایمان کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے۔ تمام مسلمان ایمان کے رشتے میں ایسے بندھے ہوئے ہیں کہ رنگ و نسل و ذات اور شہوت و قابل کا فرق مٹ جاتا ہے اور شرق سے غرب اور شمال سے جنوب سب مل کر اللہ کی رسی کو تقاضا لیتے ہیں۔ اس بھائی چارے اور اخوت کو قائم و دائم رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے اپنے بندوں کو ان کاموں کے کرنے سے منع کیا ہے جو دلوں کو دور کر دیتے ہیں جیسے چٹلی کرنا، غیبت کرنا، تجسس کرنا وغیرہ۔ اسی طرح سے رسول اللہ ﷺ نے بہت سی ایسی باتوں کا حکم دیا ہے جن کو اختیار کرنے سے اہل ایمان کے مابین محبت کا رشتہ اور مضبوط ہو جاتا ہے جیسے دوسرے مسلمان بھائی کو سلام کرنا، ایک دوسرے کو تحائف دینا، چھینک آنے پر وہ الحمد للہ کہے تو اس کو جواب دینا، اگر دعوت دے تو اس کی دعوت کو قبول کرنا، بیمار ہو تو اس کی عیادت کرنا، اس کا انتقال ہو جائے تو اس کی تعزیت کرنا، اس کے جنازے میں شرکت کرنا اور تدفین میں تعاون کرنا وغیرہ۔

کتب حدیث میں عام طور پر اس سے متعلقہ احادیث کتاب الآداب میں نقل کی جاتی ہیں وہاں ان کا تفصیلی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ تمام تر اعمال باہمی محبت و مودت کو پیدا کرتے ہیں اور یوں اہل اسلام کا ایمانی رشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے نکل کر نفوذ باللہ اسلام کو ترک کر کے کفر اختیار کر لیتا ہے تو ایسے شخص سے اظہار محبت و مودت کرنے اور موت و حیات کے معاملات میں اہل اسلام کی طرح معاملہ کرنے کی اجازت نہیں۔ اسی بات کا اعلان ہم نماز میں ﴿وَنُخْلِعُ وَنُكَرُكَ﴾ من یفجوک ﴿پڑھتے ہوئے روزانہ کرتے ہیں۔

یاد رہے کہ ایک عام کافر کے ساتھ تالیف قلب کے لیے بعض معاملات کی اجازت ہے جیسے بیمار ہونے پر اس کی عیادت کرنا اور مرنے پر اس کے اہل خانہ سے انسانیت کے ناطے اظہار افسوس کرنا۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں جیسے آپ ﷺ کا اپنے خاندان والوں کے ساتھ معاملات فرمانا تبلیغ کی غرض سے ان کی دعوت کرنا یا کسی یہودی و کافر کی عیادت کرنا۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک یہودی غلام رسول اللہ کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور اس کے سر ہائے تشریف فرما ہوئے اس حال میں کہ وہ عالم نزع میں تھا۔ آپ ﷺ نے اس کو اسلام کی دعوت دی۔ لڑکے نے اپنے یہودی باپ کی طرف دیکھا۔ وہ اس کے سر کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے باپ نے اپنے بیٹے سے کہا ایوا القاسم (ﷺ) کی اطاعت کر لو۔ وہ اسلام لے آیا پھر اس کا انتقال ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس سے یہ فرماتے ہوئے روانہ ہوئے کہ یا محمد لیلہ الذی انقذہ ہی من النار ﴿تمام تعزیتیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اس (لڑکے) کو میری وجہ سے جہنم کی آگ سے نجات عطا فرمائی﴾۔ (مسند امام احمد بن حنبل رقم الحدیث: 13466)

اسی طرح جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو نبی ﷺ اس کے لیے کہنے لگے ہو گئے۔ جب آپ ﷺ سے عرض کی گئی کہ یہ یہودی کا جنازہ ہے تو فرمایا ﴿المیست نفساً﴾ کیا یہ انسان نہیں ہے؟ (صحیح البخاری رقم الحدیث: 1312)

اسی سنت کی اتباع کی ایک مثال حضرت سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے عہد میں ہمیں نظر آتی ہے۔ ایک مجبور عیسائی عورت آپ کے پاس حاضر ہوئی اور کہا کہ میری بچی کو گزشتہ رات ڈاکو اٹھا کر لے گئے ہیں۔ میں نے اپنے بادشاہ سے عرض کی تو اس نے کہا مسلمانوں کا سلطان بہت رحم دل ہے ہم تمہیں اس کے پاس بھیج دیتے ہیں۔ آپ ہی میری بچی مجھے دلوا سکتے ہیں۔ سلطان نے جب یہ بات سنی تو اس کا دل بھر آیا اور آکھیں اٹھک بار ہو گئیں۔ سلطان نے اسی وقت حکم دیا کہ اس کی بچی کو ابھی تلاش کیا جائے۔ کچھ دیر بعد جب ایک شخص اس کی بچی کو اپنے کندھے پر اٹھا کر آیا تو عورت اپنی بچی کو دیکھتے ہی زمین پر لوٹنے لگی۔ اس کے

جذبات دیکھ کر سب لوگ رونے لگے۔ وہ عورت سلطان کو دعائیں دیتی ہوئی دوبارہ اپنے لشکر کی طرف چلی گئی۔ (النواذر السلطانیۃ ص: ۲۶)

پس تالیف قلب کے لیے کسی عام کافر کی دعوت کرنا عیادت کرنا یا اس کے ساتھ رحم کا معاملہ کرنا تا کہ وہ اسلام کے قریب ہو سکے اسلام کے محاسن میں سے ہے۔ تاہم اگر کوئی کافر شہداء رسول ﷺ ہو یا شریعت کا مذاق اڑاتا ہو یا اسی طرح سے کوئی مسلمان توہین رسالت یا توہین شریعت کی وجہ سے مرتد ہو جائے تو اس کی صحبت اختیار کرنے اور اس کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ کرنے کی اجازت نہیں جس سے محبت و مودت کا اظہار ہوتا ہو تا کہ ایسے لوگوں کی حوصلہ شکنی ہو اور دوسرے لوگ ان قبیح اعمال سے دور رہیں۔

اہل کتاب چاہے یہودی ہوں یا نصرانی رسول اللہ ﷺ کی رسالت و نبوت کے انکار کی وجہ سے کافر ہیں۔ تاہم ان کے عورتوں کے ساتھ مناکحت جائز اور ان کا بیچ حلال ہے۔ اسی لیے ہماری کتب فقہ و سیر میں اہل کتاب اور مشرکین کے احکامات میں اس فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان عیسائی یا یہودی ہو جائے یا کسی موجب کفر کے ارتکاب سے کافر ہو جائے تو ایسے شخص کو مرتد کہا جاتا ہے جو حرجی کافر کے حکم میں ہے۔ اس کے اور دیگر کفار کے احکامات میں فرق ہے جس کی تفصیل احکام المرتدین میں دیکھی جاسکتی ہے۔

وہ بد بخت لوگ جو توہین رسالت یا توہین شریعت کے مرتکب ہوں یا شریعت اسلامیہ کے احکامات کا مذاق اڑائیں اور تنبیہ اور نہی عن المنکر کے باوجود اپنی بدعتیہ فتنی پر قائم رہیں ایسے افراد کے ساتھ اہل اسلام کو ان کی موت و حیات میں ایسے معاملات کرنے کی اجازت نہیں جن سے ان کی طرف جھکاؤ یا محبت کا اظہار ہوتا ہو۔

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کے دور میں جب دہلی کرگاہ رانا تالی ایک کافر نے مسلمانوں کے ایک قافلے پر حملہ کیا اور توہین رسالت کا ارتکاب کرتے ہوئے کہا کہ قتلوا محمد (ﷺ) یخلصکم (محمد ﷺ) کے کوہ قہر کو کجاست دے۔ جب سلطان کو اس واقعے کی خبر پہنچی تو سلطان نے نذر مانی کہ اس لعین کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔ جب جنگ طلیں میں رانا، بادشاہ کے ساتھ گرفتار ہوا اور اسے بادشاہ کے

ساتھ سلطان کے سامنے حاضر کیا گیا تو بادشاہ کو پیاس کی وجہ سے پانی پیش کیا گیا۔ اس نے پانی پیا اور اس میں سے بچا کر (ملعون) رانا کو دے دیا۔ سلطان نے ترجمان سے کہا کہ بادشاہ کو کبہ دوئم نے اس کو یہ پانی پینے کے لیے دیا ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں اس کو نہ تو اپنے پانی سے کچھ پلاؤں گا اور نہ اپنے کھانے سے کچھ کھلاؤں گا۔ سلطان نے یہ وضاحت اس لیے کی کہ سلطان کی عادت تھی جس کو سلطان کھانا پیش فرماتے اس کو یازہ اندیتے تھے۔ پھر اپنے ہاتھ سے اس ملعون کو قتل کیا۔ (النواذر السلطانیۃ ص: ۲۷)

سلطان کے مذکورہ دونوں واقعات مسلمانوں کے جذبات، مزاج اور اخلاق کی بھرپور ترجمانی کرتے ہیں جن میں آج بھی ہمارے حکمرانوں اور اہل علم حضرات کے لیے روشنی موجود ہے۔

پیش نظر مضمون کا مقصد اس بات کا بیان ہے کہ کیا کسی مسلمان کے لیے مرتد کی تعزیت کرنا شرعاً جائز ہے؟ اس سے قبل کہ ہم اس مسئلہ کی وضاحت کریں، تعزیت کے معنی اور اس کے مقاصد کا جاننا ضروری ہے۔ تعزیت عربی زبان کا لفظ ہے۔ غرضاء عربی میں اس چیز پر صبر کو کہا جاتا ہے جو کھو گئی ہو۔ اسی سے غزوی یغزوی غزاء ہے جس کا معنی مصیبت پر صبر کرنا ہے۔ باب تفعیل میں غزوی یغزوی غزایۃ سے مراد کسی کو کسی چیز کے کھوجانے پر تسلی دینا ہے۔ وہ شخص جو مصائب پر اچھے طریقے سے صبر کا اظہار کرے اس کے لیے کہا جاتا ہے انہ لغزئی یعنی یہ صبور ہے۔ لوگ جب ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے نغازی القوم یعنی لوگوں نے ایک دوسرے کی تعزیت کی اور کسی چیز کے کھوجانے پر صبر کرنے کی تلقین کی۔ غرض یہ کہ تعزیت سے مراد کسی چیز کے کھوجانے پر کسی کو صبر کی تلقین کرنا اور تسلی دینا ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے لسان العرب، تاج العروس اور القاموس المحیط کا مطالعہ فرمائیں۔

اہل اسلام کسی کے انتقال پر اس کے اہل خانہ کے ساتھ تعزیت کرتے ہیں جو مسلمان بھائی کے آداب و حقوق اور اسلامی معاشرت میں سے ہے۔ اس سے مراد یہی ہے کہ جب ایک انسان انتقال کر جاتا ہے تو اس کے اہل خانہ کو تسلی دی جاتی ہے، میت کے لیے دعائے مغفرت کی جاتی ہے اور ایسے خدمات ادا کیے جاتے ہیں جن سے انہیں صبر نصیب ہو۔ تعزیت کا مقصد مرنے والے کی "موت" پر اس کے ورثاء اور خاندان سے

اظہار انفس کرتے ہوئے انہیں تسلی دینا اور صبر کی تلقین کرنا ہے تاکہ اہل اسلام غشی کی طرح ایک دوسرے کے غم میں بھی شریک رہیں اور اس طرح ان کی باہمی محبت و مودت قائم و دائم رہے۔

کفر و اسلام اور ارتداد کے اعتبار سے تعزیت کرنے کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں:

① مرنے والا مسلمان ہو اور جس سے تعزیت کی جارہی ہے وہ بھی مسلمان ہو۔

② مرنے والا مسلمان ہو اور جس سے تعزیت کی جارہی ہے وہ کافر ہو۔

③ مرنے والا ذمی کافر ہو اور جس سے تعزیت کی جارہی ہے وہ مسلمان ہو۔

④ مرنے والا ذمی کافر ہو اور جس سے تعزیت کی جارہی ہے وہ بھی کافر ہو۔

⑤ مرنے والا حربی کافر ہو اور جس سے تعزیت کی جارہی ہے وہ مسلمان ہو۔

⑥ مرنے والا حربی کافر ہو اور جس سے تعزیت کی جارہی ہے وہ بھی کافر ہو۔

⑦ مرنے والا مرتد ہو اور جس سے تعزیت کی جارہی ہے وہ مسلمان ہو۔

⑧ مرنے والا مرتد ہو اور جس سے تعزیت کی جارہی ہے وہ بھی مرتد یا کافر ہو۔

⑨ مرنے والے کو توہین رسالت یا توہین شریعت کرنے اور اس پر قائم رہنے کی وجہ سے قتل کر دیا گیا ہو اور جس سے تعزیت کی جائے وہ مسلمان ہو۔

⑩ مرنے والے کو توہین رسالت یا توہین شریعت کرنے اور اس پر قائم رہنے کی وجہ سے قتل کر دیا گیا ہو اور جس سے تعزیت کی جائے وہ کافر یا مرتد ہو۔

کتب حدیث و فقہ میں تعزیت کے فضائل، احکامات اور مختلف کلمات ”کتاب الیمان“ میں ذکر ہیں۔ کسی چیز کے کھوجانے اور کسی کے مرنے پر مسلمانوں کا ایک دوسرے کے لیے دعا کرنا، ایک دوسرے کو تسلی دینا اور صبر کی تلقین کرنا مسنون ہے۔ احادیث شریف میں تعزیت کرنے کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔

① امام باقی رحمہ اللہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ﷺ من عزی اخاه المؤمن بمصیبة کساه اللہ حلل الکرامة یوم القیامة ﷺ جس نے اپنے مؤمن بھائی کی مصیبت میں تعزیت کی

اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن کرامت کے جوڑے پہنائے گا۔ (شعب الایمان، رقم الحدیث: 8975)

② حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ رب العزت سے سوال کیا ﷻ الہی ما جزاء من یعزی الحزین و المصاب ابتغاء مرضاتک، فقال اللہ عزوجل: جزاءه ان اکسوه رداء من اودیة الایمان، استره به من النار و ادخله الجنة ﷻ اے میرے معبود اس کی جزاء کیا ہے جو کسی غمگین اور مصیبت زدہ کی تیری رضا کی خاطر تعزیت کرے؟ اللہ عزوجل نے فرمایا: اس کی جزاء یہ ہے کہ میں اسے ایمان کی چادروں میں سے ایک چادر پہنائوں گا، اسے اس کے ذریعے جہنم سے بچاؤں گا اور اسے جنت میں داخل کروں گا۔ (ایضاً: 8976)

③ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﷺ من عزی لکلی کسی بردا من برود الجنة ﷻ جس نے اس کو تسلی دی جس کا بچہ کھو گیا ہو تو اس کو جنت کی چادروں میں سے ایک چادر پہنائی جائے گی۔ (ایضاً: 8977)

④ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﷺ من عزی اخاه المسلم فی مصیبة، کساه اللہ حلہ خضراء یحبر بہا قبل یارسول اللہ ﷺ ما یحبر بہا؟ قال: یغبط بہا ﷻ جس نے اپنے مسلمان بھائی کی مصیبت میں تعزیت کی اسے اللہ تعالیٰ سبز رنگ کا جوڑا پہنائے گا پھر فرمایا ﷺ یحبر بہا ﷻ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یحبر بہا سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: اس پر شک کرے گا۔ (ایضاً: 8978)

⑤ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﷺ من عزی مصابا فله مثل اجرہ ﷻ جس نے کسی مصیبت زدہ کو تسلی دی اس کے لیے اسی کے مثل اجر ہے۔ (ایضاً: 8979)

یہ تمام احادیث امام باقی نے باب فی الصلاة علی من مات من اهل القبلة میں نقل کی ہیں۔

● تعزیت کے بارے میں فتاویٰ تارخانیہ میں ہے ﷻ و فی العنایة: التعزیزة لصاحب المصیبة حسنة، و المعزی ماجور علیہ و ہی من حقوق الاسلام لقوله علیہ السلام: حقوق المسلم علی المسلم ان یعزیہ اذا اصابته مصیبة ﷻ اور غرض یہ ہے کہ مصیبت زدہ شخص کو تسلی دینا ﷻ تعزیت کرنے والے کو اس عمل پر ثواب ملتا ہے اور تعزیت کرنا اسلام کے حقوق

میں سے ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے کہ وہ اس کی تعزیت کرے جب اسے کوئی مصیبت پہنچے۔ (الفتاویٰ القاتر خانہ، ج: ۱۲، ص: ۱۳۹)

● ثاویلی ہندیہ میں ہے: ہو بستحب ان یقال لصاحب التعزیت غفر اللہ تعالیٰ لمیتک و تجاوز عنه و تغمدہ برحمته و رزقک الصبر علی مصیبة و اجرک علی موتہ کذا فی المضممرات ناقلاً من الحجۃ، و احسن ذلک تعزیت رسول اللہ ﷺ ان للہ ما اخذ و له ما اعطی و کل شی عندہ باجل مسمی و یقال فی تعزیت المسلم بالکافر اعظم اللہ اجرک و احسن عزاک و فی تعزیت الکافر بالمسلم احسن اللہ عزاءک و غفر لمیتک و لا یقال اعظم اللہ اجرک و فی تعزیت الکافر بالکافر اخلف اللہ علیک و لا نقص عددک کذا فی السراج الوہاجؒ کہ اور مستحب ہے کہ کہا جائے اس سے جس سے تعزیت کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے میت کی مغفرت فرمائے اور اس سے درگزر فرمائے اور اس کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے اور تمہیں مصیبت پر صبر عطا فرمائے اور تمہیں اس کی موت پر اجر عطا فرمائے اسی طرح مضممرات میں ہے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں اور سب سے اچھی تعزیت رسول اللہ ﷺ کی ہے۔ بے شک اللہ ہی کے لیے ہے جو اس نے لیا اور اسی کے لیے ہے جو اس نے عطا فرمایا اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک معلوم وقت کے ساتھ ہے۔

مسلمان سے تعزیت کرتے ہوئے کافر کے مرنے پر یوں کہا جاتا ہے: اللہ تمہارے اجر کو زیادہ کرے اور تمہارے صبر کو اچھا کرے۔ اور کافر سے تعزیت کرتے ہوئے مسلمان کے مرنے پر کہا جاتا ہے: اللہ تمہارے صبر کو اچھا کرے اور تمہارے مردے کی مغفرت فرمائے اور یوں نہیں کہا جائے گا: اللہ تمہارے اجر کو بڑھائے۔ کافر کے مرنے پر کافر سے تعزیت کرتے ہوئے کہا جائے گا: اللہ تمہارے پیچھے چھوڑے اور تمہارے تعداد کو کم نہ کرے۔ اسی طرح حراج وہاج میں ہے۔ (الفتاویٰ الہندیہ، ج: ۱۱، ص: ۱۶)

● امام حوی فرماتے ہیں: ہو فی السواہر لہ جہار یہودی او مسجوسی فمات ابن لہ او قریب ینبھی لہ ان یعزیزہ بہ و یقول لہ اخلف اللہ علیک خیراً منہ و اصلحک اللہ

فکان معناہ اصلحک اللہ تعالیٰ بالاسلام یعنی رزقک اللہ و لدا مسلم کہ اور نوادر میں ہے کہ ایک شخص کا پردہ بیہودی یا مجوسی ہو اس کا بیٹا مر جائے یا کوئی قریبی تو مناسب ہے کہ اس سے اس کے بدلے تعزیت کرے اور اس سے کہے: اللہ تمہارے پیچھے اس سے بہتر چھوڑے اور تمہاری اصلاح فرمائے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تمہاری اسلام کے ساتھ اصلاح فرمائے یعنی تمہیں مسلمان اولاد دے۔ (شرح الحموی، ج: ۳، ص: ۸۹)

کتب فقہی ان تمام عبارات سے یہ معلوم ہوا کہ تعزیت کرنا اہل اسلام کے حقوق میں سے ہے۔ اگر کسی مسلمان کا انتقال ہو جائے تو دیگر مسلمانوں کو چاہیے کہ اس مسلمان کے اہل خانہ کو قتل دیں، مہر کی تلقین کریں اور اس کے لیے دعائے مغفرت کریں۔

جہاں تک کافر کے مرنے پر مسلمان سے تعزیت کرنے کا تعلق ہے تو احناف اس کے جواز کے قائل ہیں۔ تاہم اس میں اس بات کو ملحوظ رکھنا ہے کہ مرنے والے کافر کے لیے دعائے مغفرت نہیں کی جائے گی جبکہ مسلمان کے لیے مہر اور اجر کی دعا کی جائے گی۔ اسی طرح اگر پردہ میں کسی کافر کا انتقال ہو جائے تو اس کے کافر اہل خانہ سے تعزیت کی جائے گی۔ اس صورت میں بھی مرنے والے کے لیے دعائے مغفرت نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ان اہل خانہ کے لیے اجر کی دعا کی جائے گی جو کافر ہوں۔

فقہاء کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تعداد کو زیادہ کرے اور تمہارے پیچھے اس سے بہتر چھوڑے اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تعداد زیادہ کرے تاکہ اہل اسلام کو زیادہ سے زیادہ جزیل سکے اور تمہاری اولاد کو مسلمان کرے۔ کافر سے جب مسلمان کے مرنے پر تعزیت کی جائے گی تو اپنے مرنے والے مسلمان بھائی کی مغفرت کی دعا کی جائے گی۔ یاد رہے کہ ڈمی کافروں کی خیانت کو قبول کرنا، ان کو دعوت میں بلانا، ان کی عیادت کرنا اور ان سے تعزیت کرنا تالیف قلب کے لیے اس نیت کے ساتھ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس حسن خلق اور حسن اسلام کی وجہ سے ان کو دائرہ اسلام میں داخل کر دے اور اس عمل سے اہل اسلام کو نفع پہنچے۔

علامہ بیہقی رحمہ اللہ رسول اللہ ﷺ کے خدمت گزار ایک یہودی لڑکے عبدالقدوس کے گھر آپ ﷺ کے

شریعت کی وجہ سے کافر و مرتد ہوا ہو۔ اسی لیے اکثر علماء ایسے خاص مرتد کی تو بہ کی قبولیت کے بھی قائل نہیں ہیں اور ایسے ملعون کو بہر صورت قتل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ ایسے شخص کے جرم کی نوعیت اور شناخت اس وقت زیادہ ہو جاتی ہے جب وہ اپنی سرکش پر ہمارے اور علماء کی مسلسل تنبیہ کے بعد بھی اپنی شیطانیت پر ڈٹا رہے۔ اہل اسلام کو چاہیے کہ ایسے سرکش لوگوں کے ساتھ مقابلہ کریں نیز ان کے مرنے یا کسی غیر مرتد مسلمان کے ہاتھوں مارے جانے کے بعد انسانیت، مودت، محبت اور مواخات کی وجہ سے ان کے مرنے پر ”تاسف“ و ”تعزیت“ سے پرہیز کریں۔

وہ شخص جو توین رسالت یا توین شریعت کا مرتکب ہو وہ کسی طور پر بھی اس بات کا مستحق نہیں کہ اس کے مرنے پر اہل اسلام ”تاسف“ یا ”تعزیت“ کریں بلکہ اس سے اجتناب کرنا اس وقت اور زیادہ ضروری ہو جاتا ہے جب اس مرنے والے کے اہل خانہ اس کی حمایت و نصرت میں کھڑے ہوں اور اس کی بد اعمالیوں پر راضی ہوں۔ ایسے سرکش لوگوں کی موت یا قتل پر مسلمانوں کا اظہار افسوس نہ کرنے اور ان پر نماز جنازہ ادا نہ کرنے سے دیگر سرکشوں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔

● علامہ شامی رحمہ اللہ ذاکوّن اور باغیوں وغیرہ کی نماز جنازہ ادا نہ کرنے کے حوالے سے رقم طراز ہیں ﴿و انما لم یسلوا و لم یصل علیہم اہانتہم و زجر المبرہم عن فعلہم﴾ اور انہیں غسل نہیں دیا جائے گا اور نہ ہی ان کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی ان کی اہانت کے طور پر اور دیگر کے زجر کے طور پر تاکہ وہ ان کے جیسے فعل سے دور ہیں۔ (رد المحتار ج ۳: ۱۳ ص: ۱۰۷)

ایسے افراد کی قرآن و سنت میں سخت ترین مذمت کی گئی ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا شریعت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے ﴿و یحذر المنافقون ان تنزل علیہم سورة تنہم بما فی قلوبہم قل استہزاء و ان اللہ مخرج ما تحذرون و لئن سألنہم ليقولن انما کننا نخوض و نلعب قل ابالہ و ایاتہ و رسولہ کنتم تستہزؤن لا تعذبوا لقد کفرتم بعد ایمانکم ان لعاب عن طائفة منکم نعلب طائفة بانہم کانوا مجرمین﴾ منافقین اس بات سے

تشریف لے جانے، عیادت فرمانے اور اس کے اسلام لانے کے واقعے کے بارے میں فرماتے ہیں ﴿و فیہ جواز عیادة اہل الذمۃ لا سیمما اذا کان الذمی جارا لہ لان فیہ اظہار محاسن الاسلام و زیادة التالف بہم لیرغبوا فی الاسلام﴾ کہ اس میں اہل ذمہ کی عیادت کا جواز ہے خاص طور پر اس وقت جب وہ مسلمان کا پر دہ ہو کیونکہ اس میں اسلام کے محاسن کا اظہار ہے اور اس میں ان کی تالیف قلب زیادہ ہے تاکہ وہ اسلام میں رغبت رکھیں۔ (عمدة القاری ج ۱: ۸ ص: ۲۵۴)

● مرتد کی تعزیت اور اس کے قتل کیے جانے پر تاسف:

جو شخص دین اسلام کو ترک کر دے اسے مرتد کہا جاتا ہے۔ ایسا کافر، کافر طاری ہے اور کافر اصلی سے اس کا کفر زیادہ قبیح ترین ہے۔ اسی لیے فقہائے کرام نے مرتد کے احکامات کو ذمی کافر سے الگ بیان کیا ہے۔ اگر ایک شخص توین رسالت یا توین شریعت کی وجہ سے اسلام سے خارج ہو جائے تو اس عمل قبیح سے اس کی حرمت ساقط ہو جاتی ہے اور وہ مباح الدم ہو جاتا ہے۔ اہل کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے انکار کی وجہ سے کافر ہیں تاہم ان کی خواہش کے ساتھ مناکحت اور ان کا ذبیح کھانا جائز ہے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان نصرانیت یا یہودیت کو اختیار کر لے تو وہ اسلامی فقہ کے مطابق اہل کتاب کے بجائے مرتدین کے حکم میں ہوگا اور اس کے ساتھ مرتدین ہی کی طرح معاملہ کیا جائے گا۔

● علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں ﴿و لا یسدن فی مقابر اہل ملۃ و لا یتبعہ و لدہ﴾ اور اسے اہل ملت کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کا میتا اس کے پیچھے جائے گا۔ (الاشباہ و النظائر ج ۳: ۱۳ ص: ۲۱۸)

● امام عبدالقادر بغدادی فرماتے ہیں ﴿و اجمعوا علی انہ لا یحل ذبیحۃ المرتد و لا لکاحہ و لا دیۃ و لا قصاص علی قتالہ﴾ اور اس پر ہمارے ہے کہ مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں ہے اور نہ ہی اس کا نکاح اور اس کو قتل کرنے والے پر دیۃ اور قصاص نہیں ہے۔ (کتاب اصول الدین ص: ۳۲۸)

اس معاملہ میں بالخصوص وہ مرتد انتہائی خبیث ترین کافر ہے جو توین رسالت یا توین دستہ زائے

ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل کر دی جائے جو انہیں ان باتوں سے خبردار کر دے جو ان (منافقوں) کے دلوں میں (خفی) ہیں۔ فرما دیجئے: تم مذاق کرتے رہو، بیشک اللہ وہ (بات) ظاہر فرمانے والا ہے جس سے تم ڈر رہے ہو۔ اگر آپ ان سے دریافت کریں تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ ہم تو صرف بات چیت اور دل گلی کرتے تھے۔ فرما دیجئے: کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ مذاق کر رہے تھے؟ (اب) تم معذرت مت کرو، بیشک تم اپنے ایمان (کے اظہار) کے بعد کافر ہو گئے ہو، اگر تم میں ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں (تب بھی) دوسرے گروہ کو عذاب دیں گے اس وجہ سے کہ وہ مجرم تھے۔ (التوبة: ۶۳-۶۶)

ایسے بد بخت لوگوں کی حیات میں اور موت پر مسلمانوں کو کوئی ایسا فعل نہیں کرنا چاہیے جو ان کی محبت یا میلان کا اظہار کرنا ہو کیونکہ مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے لیے محبت کرتا ہے اور انہی کے لیے بغض رکھتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلَا تَرْكَبُوا السُّبُلَ الَّتِي الٰهِيں ظَلَمُوا فَنَمْسُكُمْ نَارًا﴾ اور نہ میل کرو ظالموں کی طرف کہ تمہیں دوزخ کی آگ چھوئے گی۔ (ہود: ۱۱۳)

● امام آلوسی بغدادی اس کی شرح میں فرماتے ہیں ﴿وَالْاِي لَا تَمِيلُوا الْبِيْمَ اِدْنِي مِلَّ... اِنْ رَجَلًا قَال لِسَلِيْمَانٍ: اِنِّي اَخِيْطُ لِّلْمُظْلَمَةِ فَعَل اَعْدَ مِنْ اَعْوَانِهِمْ، فَقَالَ لَهُ: لَا اَنْتَ مِنْهُمْ وَالسُّبُلُ يَمِيْعُكَ الْاِبْرَةِ مِنْ اَعْوَانِهِمْ﴾ یعنی ان کی طرف ذرا سے میلان کا بھی اظہار نہ کرو۔۔۔۔۔ ایک آدمی نے سلیمان سے کہا کہ میں ظالموں کے کپڑے پہتا ہوں تو کیا میں ان کے مددگاروں میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا نہیں تم انہیں میں سے ہواور جو تمہیں سوئی پہتا ہے وہ ان کے مددگاروں میں سے ہے۔ (روح المعانی، ج: ۱۲، ص: ۲۳۱)

● امام بخاری فرماتے ہیں ﴿وَالنَّهْيُ مَتَّوْلٌ لِّلْاِنْقِطَاعِ الْبِيْمِ وَمَصْحَابَتِهِمْ وَمَجَالَسَتِهِمْ وَزِيَارَتِهِمْ وَمَدَاهِنَتِهِمْ وَالرَّضَا بِاَعْمَالِهِمْ وَالنَّشْبَةَ بِهِمْ وَالتَّزْيِي بِزِيْمِهِمْ وَمَدَّ الْعَيْنِ اِلَى زَهْرَتِهِمْ وَذَكَرَهُمْ بِمَا فِيْهِ تَعْظِيْمٌ لَهُمْ﴾ اور انہی شامل ہے ان کی

خواہشات میں گرنے اور ان کی طرف ہونے کو اور ان کی محبت اختیار کرنا اور ان کے ساتھ بیٹھنا اور ان کو دیکھنا اور ان کے ساتھ مدائنت کرنا اور ان کے اعمال سے راضی ہونا اور ان کے ساتھ تشبیہ اختیار کرنا اور ان کی جیسی پوشاک پہننا اور ان کے حسن کی طرف نظر پڑھانا اور ان کا ذکر کرنا اس چیز کے ساتھ جس میں ان کے لیے تعظیم ہو سب اس میں شامل ہے۔ (الکشاف، ج: ۱۲، ص: ۴۳۳)

● امام ابو حیان اندلسی فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ مَنَلْ سَلِيْمَانٌ عَنْ ظَالِمٍ اَشْرَفَ عَلَى الْهَلَاكِ فِيْ بَرِيَّةٍ هَلْ يَسْقَى شَرْبَةً مَّاءٍ فَقَالَ لَا فَقِيلَ لَهُ: يَمُوتُ؟ فَقَالَ: دَعِدْ يَمُوتُ﴾ سلیمان نے ظالم کے ہاے میں پوچھا گیا کہ وہ کمزوری سے مرنے کے قریب ہے کیا اسے پانی کا ایک گھونٹ پلایا جائے گا؟ فرمایا: نہیں۔ کہا گیا: وہ مر جائے گا؟ فرمایا: اس کو مرنے کے لیے چھوڑ دو۔ (تفسیر البحر المحیط، ج: ۵، ص: ۲۶۹)

● امام اسماعیل حقی بروسی فرماتے ہیں ﴿وَدَخَلَ فِي الرُّكُوْنِ اِلَى الظَّالِمِيْنَ الْمَدَاهِنَةُ وَالرَّضَى بِاَقْوَالِهِمْ وَاعْمَالِهِمْ وَمَحَبَّةُ مَصْحَابَتِهِمْ وَمَعَاوَرَتِهِمْ وَمَدَّ الْعَيْنَ اِلَى زَهْرَتِهِمْ اَلْقَانِيَةَ وَغَبَطَتِهِمْ فِيمَا اَوْتُوا مِنَ الْقُطُوفِ الدَّانِيَةِ وَالدَّعَا لَهُمْ بِالْبَقَاءِ وَتَعْظِيْمُ ذِكْرِهِمْ وَاصْلَاحُ دَوَاتِهِمْ وَقَلَمُهُمْ وَدَفْعُ الْقَلَمِ اَوْ الْكَاغِدِ اِلَى اَيْدِيهِمْ وَالْمَشْيُ خَلْفَهُمْ وَالتَّزْيِي بِزِيْمِهِمْ وَالنَّشْبَةَ بِهِمْ وَخِيَاطَةُ ثِيَابِهِمْ﴾ اور ظالموں کی طرف ہاتھ ہونے میں مدائنت داخل ہے اور ان کے اقوال و اعمال کے ساتھ راضی ہونا اور ان کی محبت اور ان کی معاشرت اور ان کے فانی حسن و جمال کی طرف نظر اٹھانا اور ان پر رشک کرنا اس چیز میں جو انہیں دنیاوی نعمتوں میں دیا گیا ہے اور ان کے باقی رہنے کی دعا کرنا اور ان کے ذکر کی تعظیم کرنا اور ان کی چیزوں کو اور قلم کو درست کرنا اور ان کو قلم اٹھا کر دینا یا ان کے ہاتھ میں کاغذ دینا اور ان کے پیچھے چلنا اور ان کی پوشاک جیسے کپڑے پہننا اور ان کی طرح تشبیہ اختیار کرنا اور ان کے کپڑے پہنا۔ (روح البیان)

ظالموں کی طرف کسی بھی قسم کے ادنیٰ سے میلان کو بھی منع کیا گیا ہے۔ علا کے مطابق ان کی مصاحبت

محالست اور زیارت منع ہے۔ یہاں تک کہ ان سے معاشرتی تعلقات چیتے ہیں ان کے پزے سینہ وغیرہ سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔ قارئین خود ہی فیصلہ کر لیں کہ جب شخص ایک ظالم کے ساتھ محالست، مصاحبت اور معاشرتی تعلقات کی ممانعت اتنی سخت ہے تو وہ شخص جو توہین رسالت یا توہین شریعت کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا ہو، غلطی کی تنبیہات کے باوجود اپنی سرکشی میں بڑھتا چلا گیا ہو اور ایسے شخص کو کوئی غیر متدین مسلمان قتل کر دے تو اس پر افسوس کرنا اور اس کے اہل خانہ سے تعزیت کرنا کس طرح سے جائز ہو سکتا ہے؟ بالخصوص اس وقت جب اس کے اہل خانہ کو بھی اس کے افعال پر افسوس نہ ہو۔ اس آیت مقدمہ میں ظالموں کی طرف میلان رکھنے سے مطلقاً منع کیا گیا ہے پس کوئی بھی ایسا کام جو ان کی طرف میلان کا اظہار کرنا ہو جیسے ان کے ساتھ کھانا پینا، بیمار ہونے پر عیادت کرنا، مرنے پر افسوس کا اظہار کرنا یا تعزیت کرنا ناجائز ہے۔ اس بارے میں سنت رسول کریم ﷺ یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امر شارع ﷺ کی توہین کرنے والے شخص کو قتل کیا تو اس کے اہل خانہ نے دیت کا مطالبہ کیا اور اپنا غدر پیش کیا لیکن قرآن حکیم نے فرمایا ﴿فَاعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ پس آپ ان سے اعراض برتیں۔ (النساء: ۶۳)

اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ﴿اِنَّتَ الْفَارُوقُ﴾ اے عمر تم فارق ہو۔ یعنی آپ ﷺ نے نہ تو اس شخص کے قتل کیے جانے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قصاص یا دیت کو لازم کیا اور نہ ہی آپ کو تاہم یا سزا دی بلکہ ”فاروق“ کے لقب سے سرفراز فرمایا۔

اس مقام پر اہل علم حضرات بلا تامل نبی کریم ﷺ کے اس عمل سے اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص کے دم کو باطل قرار دے دیا تو قرآن نے آپ ﷺ کو ان کے اہل خانہ سے اعراض کرنے کا حکم دیا جو دیت کا مطالبہ کر رہے تھے تو ایسے شخص کے قتل کیے جانے پر اظہار افسوس اور اہل خانہ سے تعزیت کی اجازت کس طرح شریعت اسلامیہ کے مطابق ہو سکتی ہے؟ کیا ایسا کرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت کے منافی نہیں؟

وہ بد بخت لوگ جو اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین کرتے ہیں ان کے بارے میں

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ﴿فَلَا تَحْلَسُوا لَهُمْ وَلَا تَنْتَفُوا أَكْلَهُمْ وَلَا تَشَارِبُوهُمْ وَلَا تَنْكَحُوهُمْ فَإِنْ مَرَضُوا فَلَا تَعُدُّوهُمْ وَإِنْ مَاتُوا فَلَا تَنْشَهُدُوهُمْ وَلَا تَسْلَمُوا عَلَيْهِمْ وَلَا تَتَصَلَّوْا عَلَيْهِمْ﴾ پس تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو اور ان کے ساتھ نہ کھاؤ اور ان کے ساتھ نہ پیو اور ان کے ساتھ نکاح مت کرو۔ پس اگر وہ بیمار پڑ جائیں تو ان کی عیادت کو مت جاؤ اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے پاس حاضر مت ہو اور ان پر سلام نہ کہو اور ان کی نماز جنازہ ادا نہ کرو۔

(کنز العمال، رقم الحدیث: ۲۲۳۶۸، ۲۲۵۳۲)

اس حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توہین کرنے والوں کے ساتھ ترک محالست اور ترک معاشرت کا حکم دیا گیا ہے۔ ان تمام کاموں میں ان کے ساتھ شریک نہ ہونے کی وجہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں ان سے زبردعا معاشرت کو ترک کرنے اور مقاطعہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے ساتھ کھانا، پینا، نکاح کرنا، بیمار ہونے پر عیادت کرنا جو عام کافروں کے ساتھ جائز ہے اس سے بھی منع کر دیا گیا۔ اگر وہ مر جائیں تو اہل اسلام کو ان کی میت پر حاضر نہ ہونے اور نماز جنازہ ادا نہ کرنے کا علیحدہ علیحدہ حکم دیا گیا ہے۔ پس جب صحابہ کرام کی توہین کرنے والے شخص کے ساتھ معاشرت اور موت و حیات کے معاملات میں احکامات اتنے سخت ہیں تو توہین شریعت اور توہین رسالت کرنے والے شخص کے قتل پر اظہار افسوس اور اس کی تعزیت کیونکر جائز ہو سکتی ہے؟

● امام شہاب الدین ربی فرماتے ہیں ﴿اَمَّا الْكَافِرُ غَيْرُ الْمَحْتَرَمِ مِنْ مَرْتَدٍ وَ حَرْبِي فَلَا يَعْزَى كَمَا بَحْثَهُ الْاَفْرَعِيُّ... وَلَا يَعْزَى بِهِ اَيْضًا﴾ جہاں تک غیر محترم کافر کا تعلق ہے جو مرتد یا حربی ہو تو اس سے تعزیت نہیں کی جائے گی جیسا کہ افزعی نے بحث کی ہے۔۔۔۔۔ اور مرتد کے بدلے بھی تعزیت نہیں کی جائے گی۔ (غایۃ المحتاج الی شرح المحتاج، ج: ۱۲، ص: ۲۶۰)

● ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں ﴿وَ ظَاهِرُ اَنَّهُ لَا تَسْنِ تَعْزِيَةَ مُسْلِمٍ بِمَرْتَدٍ اَوْ حَرْبِي بِخِلَافِ لِحُجُوِّ مُحَارِبٍ وَ زَانٍ مُحَصَّنٍ وَ تَارِكٍ صَلَاةٍ وَ اَنْ قَتَلَ حَدًّا﴾ اور یہ ظاہر ہے کہ

مسلمان سے مرتد کے بدلے تعزیت کا طریقہ اختیار نہیں کیا جائے گا برخلاف محارب اور شادی شدہ زانی اور نماز کو چھوڑنے والے کے، اگرچہ اس کو حد کے طور پر قتل کیا گیا ہو۔

(نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج، ج: ۱/۲ ص: ۲۶۰)

امام شہاب الدین رملی رحمہ اللہ نے بہت واضح الفاظ میں اس بات کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ کافر جن سے تعزیت کرنے کی اجازت ہے وہ غیر محترم کافر ہیں یعنی وہ مرتد اور حربی نہ ہوں نیز کسی شخص سے مرتد کے مرنے پر اس کے بدلے تعزیت نہیں کی جائے گی جبکہ کسی محارب، شادی شدہ زانی یا بے نمازی کی موت پر تعزیت کرنا جائز ہے۔

● شیخ سلیمان بن عمر رحمہما اللہ فرماتے ہیں ﴿ولا یعزى المسلم ايضا بالمرتد و الحربی اذا مات﴾ اور مسلمان سے تعزیت نہیں کی جائے گی مرتد اور حربی کے بدلے جب وہ دونوں مر جائیں۔ (حاشیۃ الجمل، ج: ۱/۳ ص: ۲۳۸)

● شیخ سلیمان بن محمد عجمی رحمہما اللہ فرماتے ہیں ﴿و لا یعزى المسلم ايضا بالمرتد و بالحرابی اذا مات﴾ اور مسلمان سے تعزیت نہیں کی جائے گی مرتد اور حربی کے بدلے جب وہ دونوں مر جائیں۔ (حاشیۃ البحر می، ج: ۱/۱ ص: ۶۵۰)

● امام ابن حجر رحمہما اللہ فرماتے ہیں ﴿و ظاہر انه لا تسن تعزیه مسلم بمرتد او حربی بخلاف لحو محارب و زان محصن و نارک صلاۃ و ان قتل حدا﴾ اور یہ ظاہر ہے کہ مسلمان سے مرتد کے بدلے تعزیت کا طریقہ اختیار نہیں کیا جائے گا برخلاف محارب اور شادی شدہ زانی اور نماز کو چھوڑنے والے اگرچہ اس کو حد کے طور پر قتل کیا گیا ہو۔ (بیہقۃ المحتاج، ج: ۱/۱ ص: ۳۲۳)

● شیخ شمس الدین محمد خطیب شربینی رحمہما اللہ فرماتے ہیں ﴿اما الکافر غیر المحنوم من مرتد و حربی فلا یعزى كما یحسد الاذرعی... و لا یعزى به ايضا﴾ جہاں تک غیر محترم کافر کا تعلق ہے جو مرتد یا حربی ہو تو اس سے تعزیت نہیں کی جائے گی جیسا کہ اذری نے بحث کی ہے۔۔۔ اور مرتد کے بدلے

بھی تعزیت نہیں کی جائے گی۔ (معنی المحتاج الی معرفۃ الفاظ المنہاج، ج: ۱/۱ ص: ۵۲۸)

ان تمام حوالہ جات میں انصاف مسئلہ کا بیان کیا گیا ہے کہ مرتد اور حربی یا غیر محترم کافر کے مرنے پر کسی مسلمان سے تعزیت نہیں کی جائے گی۔ تاہم یہ بات ذہن میں رکھیں کہ توہین رسالت کی وجہ سے مرتد ہونے والا شخص زیادہ سختی کا مستحق ہے۔ جب ایک عام مرتد کے مرنے پر تعزیت کی اجازت نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی توہین کرنے والے شخص کے بارے میں تعزیت کیسے جائز ہو سکتی ہے؟

● اعلیٰ حضرت رحمہما اللہ اپنے فتاویٰ میں مرتد اور توہین رسالت یا شریعت کرنے والے سے معاملات کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں ”ان کے ساتھ کھانا پینا، سلام علیک کرنا، ان کی موت و حیات میں کسی طرح کا کوئی اسلامی برتاؤ کرنا سب حرام ہے نہ ان کی نوکری کرنے کی اجازت، نہ انھیں نوکر رکھنے کی اجازت کہ ان سے دور بھاگنے اور انھیں اپنے سے دور رکھنے کا حکم ہے۔۔۔ شریعت مطہرہ میں مرتد کا حکم اصلی سے سخت تر ہے۔“ (الفتاویٰ الموضوبۃ، ج: ۱/۱۳ ص: ۴۱۲)

● آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ”ان سے میل جول حرام، ان سے سلام و کلام حرام، انھیں پاس بٹھانا حرام، ان کے پاس بیٹھنا حرام، بیمار پڑیں تو ان کی عیادت حرام، مر جائیں تو مسلمانوں کا سائیں غسل و کفن دینا حرام، ان کا جنازہ اٹھانا حرام، ان پر نماز پڑھنا حرام، انھیں مقابر مسلمین میں دفن کرنا حرام، ان کی قبر پر جانا حرام، انھیں ایصال ثواب کرنا حرام، مثل نماز جنازہ کفر۔“ (ایضاً، ج: ۱/۱۳ ص: ۴۰۲)

● ایک اور جگہ آپ فرماتے ہیں ”نماز سے منکر کافر ہے، روزہ سے منکر کافر ہے، جو نماز پڑھنے کو برا کہے، نمازی پر نماز پڑھنے کی وجہ سے طعن و تفتیح کرے کافر ہے، روزہ رکھنے کو جو برا کہے، روزہ دار پر روزہ کی وجہ سے طعن کرے وہ کافر ہے، گوشت کھانے کو مطلقاً حرام کہنا کفر ہے، قربانی کو مکرم کہنے والا کافر ہے۔ ان اعتقادوں والے مطلقاً کفار ہیں۔ پھر اگر اس کے ساتھ اپنے آپ کو مسلمان کہتے یا کلمہ پڑھتے ہوں تو مرتد ہیں کہ دنیا میں سب سے بدتر کافر ہیں، ان سے میل جول حرام، ان کے پاس بیٹھنا حرام، بیمار پڑیں تو ان کو پوچھنے جانا حرام، مر جائیں تو ان کے جنازے کی نماز حرام۔“ (ایضاً، ج: ۱/۱۳ ص: ۳۵۶)

● آپ فرماتے ہیں ”مسلمانوں کو اس سے میل جول حرام، اس سے سلام کلام حرام، اس کے پاس بیٹھنا حرام، اس کا وعظ سننا حرام، وہ بیمار پڑے تو اسے پوچھنے جانا حرام، مر جائے تو اسے غسل دینا حرام، کفن دینا حرام، جنازہ اٹھانا حرام، جنازے کے ساتھ چلنا حرام، اس پر نماز حرام، اسے مسلمانوں کے گورستان میں دفن کرنا حرام، اسے مسلمانوں کی طرح دفن کرنا حرام، اس کے لیے دعائے بخشش کرنا حرام، اسے کچھ ثواب پہنچانا حرام، اس کی قبر پر جانا حرام“۔ (ایضاً: ج: ۱۱ ص: ۲۷۸)

● ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں ”ان سے کوئی معاملہ اہل اسلام کا سا کرنا حلال نہیں، ان سے میل جول، نشست و برخاست سلام کلام سب حرام ہے“۔ (ایضاً: ج: ۱۱ ص: ۳۱۰)

● حضرت علامہ امجد علی عظمیٰ مرتد کے بارے میں فرماتے ہیں ”ایسے لوگوں سے بالکل میل جول چھوڑ دیں۔ سلام و کلام ترک کر دیں ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا ان کے ساتھ کھانا پینا ان کے یہاں شادی بیاہ کرنا غرض ہر قسم کے تعلقات ان سے قطع کر دیں گویا سمجھیں کہ وہ اب رہائی نہیں“۔ (بھار شریعت، جلد: اول، حصہ: پنجم، ص: ۸۷۲)

ان تمام آیات مقدسہ، احادیث شریفہ اور فقہاء کی عبارات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مرتد کا فطاری کا حکم کافر اصلی کے مقابلے میں زیادہ سخت ہے۔ بالخصوص وہ شخص جو توہین رسالت یا توہین شریعت کی وجہ سے کافر و مرتد ہو گیا، وودو اچھائی بدترین کافر و مرتد ہے۔ اسی لیے اکثر علماء ایسے ملعون شخص کی توہین قبولیت کے بھی قائل نہیں ہیں۔ ایسے بد بخت لوگوں کے ساتھ مروت، محبت، اخوت، معاشرت غرض یہ کہ ہر قسم کے تعلق کو توڑ لینا چاہیے اور کوئی ایسا عمل نہیں کرنا چاہیے جو ان کی طرف ادنیٰ سے میلان کو بھی ظاہر کرے۔ اگر کوئی شخص توہین رسالت یا توہین شریعت کی وجہ سے کافر و مرتد ہو گیا ہو اور علماء و مفتیان کرام کی مسلسل تنبیہات کے باوجود وہ اپنی سرکشی میں بڑھتا چلا جائے اور اسے کوئی بغیرت مسلمان قتل کر دے تو ایسے شخص کی موت پر اسے مرتد سمجھتے ہوئے اس کے خاندان سے تعزیت کرنا جب کہ وہ اس کی بد عقیدگی اور بد عملی سے بیزار بھی نہ ہوں یا اس کے قتل پر اظہار افسوس کرنا حرام ہے۔ کیونکہ قرآن و سنت میں ایسے بد بخت لوگوں کا مقاطعہ

کرنے، ان سے معاشرت ختم کرنے اور ہر اس کام سے بچنے کا حکم ہے جو ان کی طرف ادنیٰ سے میلان کا بھی اظہار کرتا ہو۔

اس مضمون کے آخر میں ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ کتب حدیث و فقہ میں ارتداد یا احکام المرتدین کے باب میں ایسے کلمات ذکر نہیں کیے گئے جن میں کسی مرتد سے ”اظہار افسوس“ یا ”تاسف“ کا طریقہ تعلیم کیا گیا ہو بلکہ کسی کے مرنے پر تعزیت کے کلمات ”جنازہ“ کے باب میں لکھے جاتے ہیں۔ جس کا مطلب مرنے والے کے دکھ میں مبتلا اہل خانہ کو تسلی دینا اور صبر کی دعا کرنا ہوتا ہے۔ ہماری معلومات کے مطابق فقہ کی کتابوں میں مرتد کے قتل کیے جانے پر اس کے ترک دین پر افسوس کے اظہار کے لیے اس کے اہل خانہ سے ”تعزیت“ بمعنی تاسف“ کا کہیں بھی استعمال نہیں کیا گیا۔ ارتداد کا راستہ اختیار کرنے والے سے تعزیت یعنی تسلی اور صبر کی دعا نہیں کی جاتی بلکہ استغاثہ سے تین دن تک قید کیا جاتا ہے تاکہ اس کے شکوک و شبہات دور کیے جائیں۔ اس کے ساتھ مواصلات، محبت، مروت اور معاشرت کو ترک کیا جاتا ہے۔ اگر اس کے باوجود وہ اسلام کی طرف نہ لوٹے تو اس کو قتل کیا جاتا ہے۔ دعوت و تبلیغ، تکفیر و تردید، زبرد و توبخ اور مقاطعہ کرنے کے بجائے افسوس کا اظہار کرنا یا تعزیت کرنا اہل علم حضرات کے لیے کسی طور پر جائز نہیں۔

﴿مصادر و مراجع﴾

۱. قرآن کریم

۲. روح المعانی، سید محمود اوی بغدادی، المکتبۃ المحمدیۃ، ملتان، پاکستان

۳. روح البیان، علامہ اسماعیل حقی برسوی،

۴. تفسیر البحر المحیط، ابو حیان اندلسی، دار الفکر، طبعہ ثانیہ ۱۴۰۳ھ

۵. الکشاف، علامہ جلال الدین خضری، دار الکتاب العربی، بیروت لبنان

۶. صحیح البخاری، الامام ابو عبد اللہ اسماعیل بن ابراہیم البخاری، نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ

۷. مسند احمد، امام احمد بن حنبل، المکتبۃ الشاملہ

۸ شعب الایمان، امام احمد بن حسین بن علی بنیقی، مکتبۃ الشامیۃ

۹ المسکن الکبریٰ، امام احمد بن حسین بن علی بنیقی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان

۱۰ عمدۃ القاری، علامہ بدرالدین عینی، مکتبۃ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ، پاکستان

۱۱ کنز العمال، علامہ علاء الدین علی بن حاتم الدین ہندی، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۰۵ھ

۱۲ الفتاویٰ التاتار خانیۃ، علامہ عالم دہلوی، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان

۱۳ الاشباہ والنظائر، علامہ زین الدین بن ابراہیم المعروف ابن نجیم، ادارۃ القرآن، کراچی

۱۴ الفتاویٰ الہندیۃ، الشیخ نظام الدین و جماعت من علماء الہند، مکتبۃ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ، پاکستان

۱۵ شرح الحموی، علامہ شیخ سید احمد بن محمد حموی مصری، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی

۱۶ رد المحتار، علامہ ابن عابدین شامی، مکتبۃ اداویہ، ملتان، پاکستان

۱۷ فتاویٰ رضویہ، امام احمد رضا خان، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ لاہور، پاکستان

۱۸ بہار شریعت، علامہ امجد علی اعظمی، مکتبۃ اسلامیہ، اردو بازار لاہور

۱۹ کتاب اصول الدین، امام ابو منصور عبد القاہر بن طاہر بغدادی، دارصادر، بیروت لبنان

۲۰ نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج، شمس الدین شہاب الدین ربلی، دارالفکر بیروت

۲۱ حاشیۃ الجمل، شیخ سلیمان جمل، دارالفکر بیروت

۲۲ حاشیۃ البجیرمی، شیخ سلیمان بن محمد بن عمر، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان ۱۴۲۰ھ

۲۳ تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج، امام احمد بن محمد بن علی بن حجر قسطلانی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت

۲۴ النوادر السلطانیۃ، قاضی بہاء الدین ابن شداد، مطبعۃ الادب والموبد، مصر ۱۳۱۷ھ

۲۵ مغنی المحتاج الی معرفۃ الفاظ المنہاج، علامہ محمد خلیل شربی، دارالمعرفۃ بیروت



کون ایسہ کہہ سکا اسی زندہ، ہمیش لئی توں ہو جاویں گا

سکھ داغ کفر دے اک دن، لہو نال اپنے دھو جاویں گا

تیرے جذبے، تیریاں سوچاں سکھ دین ایمان لئی

نور منارے آون والے پاندیاں دی پہچان لئی

تیریاں یادواں دے وچ اکھیاں گم سم ہو کے روون گھیاں

تیریاں گلاں عرشاں تے فرشاں دی زینت ہون گھیاں

پاک نبی ﷺ دا توں پیارا ایں، سے خیراں تیریاں نہیں

ہر ویلے بھھاں دے اُتے ایہو دُعاواں میریاں نہیں

تو! ممتاز زمانے اندر دین دا دیوا ہالیا اے

اپنی عقیدت دے پاروں توں کفر نوں ایتھوں ٹالیا اے

﴿بشکریہ: سید عارف محمود چوہدری، گجرات﴾



سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت روح ایمان ہے آپ کی تعظیم و توقیر سے انسان سعادت مند بنتا اور قہوڑی سی بے رخی سے بھی تعزیر ذلت میں جا گرتا ہے۔ بندۂ ناپا چیز خیر خواہی کی نیت سے آپ حضرات کو متوجہ کر رہا ہے کہ ایک بار نہایت اطمینان اور مخلصانہ دل سے ناموس رسالت سے متعلق اپنے قائد و اکثر طاہر القادری کے اقوال ملاحظہ کر لیں اور سوچیں آپ کے قائد نے اپنے سابق موقف سے پاپائی کیوں اختیار کی؟

کل تک جو نظریہ قرآن و سنت کی تعلیمات سے ماخوذ قرار دیا تھا آج وہی نظریہ کس لیے جہالت اور دہشت گردی قرار پایا ہے؟

﴿ڈاکٹر طاہر القادری کا سابقہ نظریہ﴾

چند عنوانات کے تحت شیخ منہاج کی عبارات ہو بہو نقل کر رہا ہوں:

① ایسا لفظ جس میں توہین کا صرف وہم ہو وہ بولنے سے انسان کا فر ہو جاتا ہے:

”غرضیکہ محض بطور وہم کے بھی جس میں تحقیر اور توہین کا پہلو پایا جائے تو ایسا لفظ شان رسالت مآب میں بولنے والا شخص کافر ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ اس لفظ کے استعمال سے اہانت و توہین اور تنقیص و تحقیر کی نیت بھی نہ رکھتا ہو۔“ (تحفظ ناموس رسالت، صفحہ: 97)

② جس شخص نے شان رسالت ﷺ میں ایسا لفظ بولا جس میں صراحتہ توہین نہیں بلکہ اس میں صرف توہین کا شائبہ ہے وہ بھی گستاخ اور واجب القتل ہے:

”اگر کسی نے بغیر ارادے کے بھی حضور ﷺ کی اہانت و تنقیص کی اور وہ اگرچہ صراحتاً

(Expressly) نہجی بلکہ اہمالاً (Impliedly) تھی اور اس میں تحقیر و توہین کا وہم و شائبہ پایا جاتا تھا تو اس ذرا سی بے ادبی پر بھی اس کے کافر اور واجب القتل ہونے کا اعتراف فقہاء نے فتویٰ دیا ہے۔ غرضیکہ کوئی بھی فرد دانستہ (Intentionally) یا غیر دانستہ (Unintentionally) طور پر گستاخی و اہانت رسول ﷺ کے جرم کا ارتکاب کرے تو اس کے لئے شریعت نے واجب القتل ہونے کی سزا مقرر کی ہے۔“ (تحفظ ناموس رسالت، صفحہ: 109)

③ اسلامی ریاست کا قانون ایسا ہونا چاہیے کہ کوئی گستاخی یہ کہہ کے نہ سکے: چونکہ میں نے لفظ صریح نہیں بولا لہذا مجھے چھوڑ دیا جائے:

”غرضیکہ اسلامی ریاست کا قانون و ضابطہ اہانت رسالت مآب ﷺ کے خاتمے کے لئے اتنی صریح عبارت پر مشتمل ہونا چاہیے کہ اس میں محض کسی کو یہ کہہ کر فحش جانے کی گنجائش اور موقع نہ ملے کہ جو لفظ میں نے بولا ہے اس میں صراحتاً حضور ﷺ کی گستاخی جاہت نہیں ہوتی بلکہ اس میں فقط اہمال و شائبہ ہے جبکہ میرا گستاخی و اہانت کا ارادہ نہیں تھا۔ کسی کا یہ جواب ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ اہانت و گستاخی رسول ﷺ کا ارتکاب کرنے والے بد طبیعت افراد میں ہی متصور ہوگا۔“ (تحفظ ناموس رسالت، صفحہ: 104)

④ اگر کسی نے کنایہ توہین کی وہ بھی گستاخ اور واجب القتل ہے:

”اگرچہ حضور سرور کائنات ﷺ کے فیصلے پر راضی نہ ہونا اور نہ اسے دل و جان سے تسلیم کرنا، یہ ایک بالآخر خفیف سی گستاخی و بے ادبی ہے مگر اس گستاخی پر بھی توبہ کا موقع دیئے بغیر سزائے قتل کو واجب قرار دیا جا رہا ہے تو اس سے بھی بڑھ کر جب صریح قول و فعل، اشارۃً کنایہً، تحریر و تقریر سے گستاخی و بے ادبی رسول کا کوئی پہلو تھکے تو ایسی صورت میں توبہ کا بہت دریاقت کرنے کا اور سزائے موت مؤخر کرنے کا موقع کیسے دیا جاسکتا ہے؟ یہ بات قابل غور ہے یہاں اس گستاخ نے زبان سے بے ادبی و گستاخی کے الفاظ نہیں کہے بلکہ گستاخی فقط اتنی تھی اس نے حضور اکرم ﷺ کو فیصل و حکم مان کر آپ کا فیصلہ سننے کے بعد اسے ماننے سے انکار کیا۔ یہ گستاخی و اہانت صریح گستاخی کی ان معاملات سے بہت جلدی ہے جن میں زبان کے ساتھ بارگاہ

نبوت ﷺ میں نازیبا کلمات کہے جائیں یا تحریر یا گستاخی کا کوئی پہلو عیاں ہو، سو یہ معمولی درجے کی ہلکی و خفیف نوعیت کی گستاخی تھی کہ ہوا، بود اس کے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اس جرم کی سزا بھی قتل تجویز فرمائی بلکہ اس کے فوری نفاذ کے سلسلے میں حق تو بہ سے بھی مجرم کو کلیتہاً محروم کر دیا۔" (تحفظ ناموس رسالت صفحہ: 269-270) (تفسیر منہاج القرآن جلد: 1، صفحہ: 394)

① صریح یا کنایہ تو کیا اگر کسی شخص کے دل میں گستاخی ہو پھر بھی واجب القتل ہے:

"یہ بات لائق توجہ ہے کہ اس شخص نے زبان سے قولاً یا فعلاً، اشارۃً یا کنایۃً کسی بھی صورت میں شان رسالت مآب میں تنقیص و تحقیر پر مشتمل کوئی کلمہ زبان سے آپ کے سامنے نہیں کہا بلکہ شخص اس کے عمل اور مستقل معمول سے امر واقعہ آپ پر تحقق ہوا کہ اس کے دل میں گستاخی رسول پناہ ہے یا یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کا اشارہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا سو کسی مزید تحقیق و تفتیش اور صفائی کا موقع دیئے بغیر کہ کس نیت سے تم پڑھتے ہو، کس سے نہیں، نیت کے اعتبارات کو ترک کرتے ہوئے، تفصیلات میں جانے بغیر بے ادبی و گستاخی رسول کے جرم پر اس کا سر قلم کر دیا جائے۔" (تحفظ ناموس رسالت صفحہ: 264)

② جو ارادہ اور نیت کے بغیر توہین کرنے وہ بھی گستاخ ہوگا دائرہ اسلام سے خارج ہوگا:

"ہر وہ شخص جو اہانت رسول کا دانستہ یا غیر دانستہ، عمدی یا غیر عمدی ارادے سے یا بغیر ارادہ کے، نیت سے یا بغیر نیت کے غرضیکہ کسی بھی صورت میں ارتکاب کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو کر کافر ہو جائے گا۔" (تحفظ ناموس رسالت صفحہ: 215)

③ گستاخ رسول ﷺ کی توبہ قبول نہیں:

"شان رسالت میں توہین آمیز کلمات کہنے والا قبولیتِ توبہ سے محروم رہتا ہے کیونکہ اولیٰ سی گستاخی رسول ﷺ کے باعث بھی ایمان کا شجر بے ثمر ہو جاتا ہے اور دولتِ اسلام چھن جاتی ہے۔" (صفحہ: 213)

④ گستاخ رسول ﷺ کیلئے معافی نہیں ہے:

"ہارگاہ و مصطفویٰ ﷺ میں اولیٰ گستاخی و اہانت سرزد ہو جائے تو یہ پیر انسان کو ایمان سے محروم کر دیتی

ہے اس سلسلے میں کسی قسم کا عذر قابل قبول نہیں۔" (تحفظ ناموس رسالت صفحہ: 210)

⑤ گستاخ رسول ﷺ کو معاف کرنا حسنِ خلق نہیں بے غیرتی ہے:

"ہاں وجہ کوئی فرد بشر سرور کائنات حضور نبی کریم ﷺ کی اہانت و گستاخی کا ارتکاب کرے، اس فعل کا کسی بھی امتی یا اسلامی ریاست کو پتہ چل جائے اور وہ بغیر قیامِ حدائے معاف کر دے تو یہ حسنِ خلق ہرگز نہ ہوگا بلکہ از روئے شرع یہ عمل بے حقیقی اور بے غیرتی منظور ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ کی عزت و حرمت، عظمت و تقدس اور ادب و احترام کی محافظت و پاسپانی امت مسلمہ کی دینی و ایمانی ذمہ داری میں شامل ہے۔" (تحفظ ناموس رسالت صفحہ: 198)

⑥ گستاخ رسول ﷺ کی جان کی محافظت کے بارے میں اسلامی ریاست کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے لہذا وہ جہاں اور جب طے اسے قتل کر دیا جائے:

"اسلامی ریاست میں کسی کی جان و مال و عزت و عصمت کی محافظت و پاسپانی اللہ کی رحمت میں شمار ہوتی ہے، ناحق کسی کی جان تلف نہیں کی جاتی اور کسی کا معصوم الدم ہونا بھی اللہ کی رحمت کے باعث ہوتا ہے جبکہ اس کے برعکس کسی کی جان و مال و عزت و آبرو کی محافظت کی ذمہ داری کا رافع ہو جانا بہت بڑی ذلت و رسوائی ہے۔ حتیٰ کہ یہ حکم آجائے کہ جہاں اور جب ملیں انہیں چن چن کر قتل کر دیا جائے یہاں تک ان کا نام و نشان بھی صفحہ ہستی سے مٹ جائے بسبب اس کے کہ انہوں نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ کے آداب کو نہ صرف پامال کیا ہے بلکہ بے ادبی و گستاخی اور اہانت و تنقیص رسالت کا ارتکاب بھی کیا ہے یوں منافق و کافر ہوئے، ان کی جان اور مال کے تحفظ کی ان کے حوالے سے اسلامی ریاست کی ذمہ داری بھی ختم ہوئی، معصوم الدم ہونے کے شرف سے محروم ہو کر مباح الدم ہوئے لہذا انہیں تلاش کیا جائے جہاں اور جس جگہ ملیں انہیں اس طرح قتل کیا جائے کہ حق قتل کے تمام تقاضے ادا ہو جائیں، دوسروں کے لئے یہ عمل نشانِ عبرت بن جائے، حتیٰ کہ اسلامی ریاست میں اس جرم اور رویے (Behavior) کا کلیتہاً خاتمہ ہو جائے۔" (تحفظ ناموس رسالت صفحہ: 193)

① گستاخی رسول ﷺ کے قتل کو دہشت گردی کہنے والا امریکا خود دہشت گرد اور گستاخوں کو پناہ

دینے والا ہے:

”مغربی دنیا اور امریکہ کے لئے جائز ہے کہ پوئیس (۲۳) ممالک کی جدید اسلحہ سے مسلح افواج کے ساتھ ارض بغداد پر ہزاروں لاکھوں معصوم مسلمان بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور بے گناہ شہریوں کو زندگی سے محروم کر کے موت کے منہ میں دھکیل دے اور ہر طرف ظلم و بربریت اور جبر و استبداد کے نہ صرف سائے بٹھائے بلکہ خون کی ندیاں دھیرے دھیرے جاری کروادے اور وہ بھی صرف ایک ریاست کے اقتدار اعلیٰ کی حفاظت کی خاطر تو گویا ایک ریاست کے اقتدار اعلیٰ کے تحفظ و بقاء کے لئے تم لاکھوں انسانوں کو ذبح کرو تو تمہارا یہ عمل نہ صرف جائز ہو بلکہ عین انصاف ہو جبکہ ہمارے نزدیک لاکھوں کویت اور ساری دنیا کا اقتدار اعلیٰ ایک طرف اور عزت و ناموس مصطفیٰ ﷺ ایک طرف اور وہ بد بخت انسان دشمنی جو اس دنیا کے نہیں بلکہ اس پوری کائنات کے مقتدر اعلیٰ کی عزت و ناموس پر حملہ کرے اور ان کی شان اقدس میں بے ادبی اور گستاخی کرے اور زبان درازی کی جسارت بھی کرے تو ایسے شیطان صفت کو عالم مغرب نہ صرف پال رہا ہے بلکہ اس کا تحفظ و دفاع بھی کر رہا ہے ایسا کیوں؟ یہ عالم مغرب کا دوغلا پان اور دوہرا کردار ہی تو ہے۔ ہم کبھی بھی اسے گوارا نہیں کر سکتے۔“ (تحفظ ناموس رسالت، صفحہ: 360)

② توہین رسالت کی پہلی تعریف:

”ہمارے نزدیک حضور نبی کریم ﷺ کی ادنیٰ سی گستاخی و بے ادبی، توہین و تنقیص، تحقیر و استخفاف خواہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ، بالفاظ صریح ہو یا بانداز اشارہ و کنایہ، ارادی ہو یا بغیر ارادی، بہتیت تحقیر ہو یا بغیر بہتیت تحقیر، گستاخی کی نیت سے ہو یا بغیر گستاخی کی حتیٰ کہ وہ محض گستاخی پر دلالت کرے یا وہم گستاخی کا شاہدہ ایسی باتیں چاہے کہ جس سے اہانت و گستاخی کا دروازہ کھلتا ہو تو ان سب صورتوں میں گستاخی رسول کا اہتمام کرنے والا کافر و مرتد اور واجب القتل ہے۔“ (تحفظ ناموس رسالت، صفحہ: 349)

✽ ڈاکٹر طاہر القادری کا حالیہ موقف ✽

آپ کے قاتل نے ARY چینل پر اور بعد میں تیرہ گھنٹوں کی گفتگو میں اس امر پر زور دیا ہے کہ توہین

رسالت کیا ہوتی ہے گستاخی کیسے بنتی ہے؟

① ARY چینل پر پلہا ہے میر کے پروگرام میں انہوں نے کہا: ”سائنس تاثر کو مارنے والا شخص (ملک ممتاز حسین قادری) قاتل ہے اس قتل کا خواہ جو بھی پس منظر ہو اس (ملک ممتاز حسین قادری) کو قاتل ہونے کی حیثیت سے سزا دینی چاہیے۔ فرض کریں گورنر سائنس تاثر نے اگر کوئی جملہ ایسا بولا بھی ہو جو گستاخی رسول پر جا کے منتج ہوتا ہے تو بھی کسی ایک سو بیس یا فرد واحد کو قتل کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا اگر وہ (ملک ممتاز حسین قادری) قانون اپنے ہاتھ میں لیکر قتل کرے گا تو قاتل تصور کیا جائے گا اس کی سزا موت ہے اور جہاں تک میں نے اس کے بیان کو دیکھا ہے اور میڈیا کے ذریعے میرے علم میں آیا وہ سارا بیان گستاخی رسول کی تعریف میں نہیں آتا۔“ (روزنامہ اوصاف لاہور 24 ستمبر 2011ء)

ARY کرنت انٹیر ز۔ پرویز جاوید (پلہا ہے) میر۔ اتوار 25 ستمبر 2011ء (25-28 منٹ پر)

② اسی موضوع پر تمہارے قاتل نے دو نشستوں میں تقریر یا تیرہ گھنٹوں کی گفتگو کی، اس طویل بحث میں انہوں نے بڑے زور و شور سے توہین رسالت کی ایک نئی تعریف کی جو یہ ہے:

”صرف ایک شکل جس میں گستاخی رسول کا اور کفر کا قول ہوگا اور وہ یہ ہے کہ اس کا قول ظاہر اور فعل ظاہر کا ایک ایک کلمہ وہ بھی صریح کفر ہو اور قطعی کفر ہو اور اس میں کوئی عدم کفر کا احتمال نہ ہو تاکہ تیسرے کث صراحتاً قطعاً اس نے کلمہ بولا ہو یا قاطعاً قطعاً کا نام لے کر کفر ہونا ضروری ہے، اور اس نے آقا ﷺ کا نام لیا ہو یا قرآن کا یا اللہ تعالیٰ کا یا شریعت کا یا سنت کا نام لے کر اس کو ٹھکرانے کا صریح ہو اور قطعی ہو اس میں کوئی احتمال موجود نہ ہو اور اس کے باطن اور مقصد میں بھی اور نیت اور ارادے میں بھی کوئی احتمال عدم کفر کا نہ ہو اور جب ظاہر اور باطن دونوں قطعی اور صریح ہو جائیں کفر پر اور احتمال نہ ظاہر میں کوئی اور نہ باطن میں کوئی اور ہے تو اس پر حکم تحقیر ہوگا اور اس کو کافر و مرتد اور گستاخی رسول کہا جائے گا۔“

✽ تہذیبیابیاں ✽

ڈاکٹر طاہر القادری کے پہلے نظریے کے برعکس حالیہ موقف میں بہت سی تبدیلیاں آئی ہیں۔ ان میں سے

چند یہ ہیں:

① اشارۃً اور کنایۃً کے مقابلے میں بتایا کہ صرف صریح لفظ کی صورت میں گستاخی بنے گی اشارۃً، کنایۃً تو ہیں سے گستاخی نہیں بنے گی۔

② صریح لفظ کے ساتھ مقصد، نیت اور ارادے کی بھی شرط لگا دی۔ جبکہ پہلے یہ نظریہ تھا کہ نیت اور ارادہ نہ ہو پھر بھی تو ہیں بنے۔

③ اگر عاشق گستاخ کو قتل کر دے وہ قاتل ہے۔ اس کو مزائے موت دی جائے گی جبکہ آپ کے قاتل کا پہلا نظریہ گستاخ جب ملے جہاں ملے اسے قتل کر دو۔

④ آپ کے قاتل کا پہلے یہ نظریہ تھا کہ مغرب اور امریکا ظالم ہیں گستاخوں کے حامی ہیں، رشیدی جیسے گستاخوں کو پال رہے ہیں۔ مغرب دوغلا پن رکھتا ہے لیکن اب امریکا اور مغرب کو منصف و معصوم مانا جا رہا ہے۔

⑤ آپ کے قاتل کے پہلے نظریے میں گستاخ کو تو بہ کی مہلت دینا یا معافی دینا بے غیرتی تھی لیکن اب انداز بدل گیا ہے۔

﴿مناجی اور اثرات﴾

① ڈاکٹر طاہر القادری کی عالیہ تعریف سے تو ہیں رسالت کا دروازہ معاذ اللہ کھل جائے گا جو کنایۃً تو ہیں کرے گا وہ بھی یہ کہہ کر فحش جائے کہ میں نے صریح لفظ نہیں بولا تو ہیں تب غبی ہے جب لفظ صریح ہو اور جس نے تو ہیں پر مشتمل صریح لفظ بولا ہو گا وہ بھی یہ کہہ کر فحش جائے گا کہ ہمیری نیت کچھ اور تھی میرے باطن میں کفر کا احتمال نہیں عدم کفر کا احتمال ہے۔ پھر تیرہ گھنٹے کی بحث میں ساتھ یہ بھی شرط لگا دی کہ ساری دنیا کے علماء اس لفظ کے تو ہیں ہونے پر اتفاق کریں۔ عالم کفر اور یہود و نصاریٰ ویسے ہی معاذ اللہ آئے دن گستاخیاں کر رہے ہیں اس کی تعریف سے ان کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔

② غازی ممتاز حسین قادری صاحب جنہوں نے جان پھینکی پھر رکھ کر اتنا بڑا کردار ادا کیا ہے۔ جس سے

گستاخانہ کلچر پر سکتہ طاری ہوا ڈاکٹر طاہر القادری کی اس تعریف سے اس کو ٹھیس پہنچے گی اور گستاخوں کو پھر حوصلہ ملے گا۔

③ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لیکر غازی ممتاز حسین تک ناموس رسالت کے تمام پہرے داروں پر معاذ اللہ دہشت گردی کا الزام آئے گا۔

④ قانون ناموس رسالت 295.C کا اثر ختم ہو جائے گا کیونکہ اس میں اشارۃً تو ہیں کو بھی گستاخی قرار دیا گیا ہے۔ جب ڈاکٹر طاہر القادری نے مذکورہ الفاظ میں واضح کیا تو ہیں تب غبی ہے جب لفظ صریح ہو تو قانون ناموس رسالت 295.C کا صریح انکار ہے۔

﴿مخلصانہ مشورہ﴾

منہاج کے وابستگان کو اپنے قائد سے یہ تو پوچھنا چاہیے پہلا نظریہ چھوڑ کر دوسرا نظریہ اپنانے کی مجبوری کیا ہے؟ غازی ممتاز حسین قادری سے کیا عداوت ہے؟ عین فیصلے سے چند دن پہلے ان کے عظیم کردار کو نہ صرف ہدف تنقید بنایا گیا بلکہ ان کو مزائے موت دینے کا معاذ اللہ قول کیا گیا۔ نیز سائن تاشیر سے رشتہ کیا ہے؟ کہ تیرہ گھنٹے کی بحث اس کی حمایت میں کی گئی۔

یہ محض مسئلے کی تحقیق نہیں تھی جیسا کہ عدولنگ پیش کیا جا رہا ہے بلکہ مقصد سائن تاشیر کا دفاع کرنا تھا کیونکہ متعدد بار سائن تاشیر کا نام لے کر پوری بحث کو منطبق کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ سائن تاشیر نے کوئی گستاخی نہیں کی۔ تیرہ گھنٹے کی گفتگو کا جواب ہم تفصیلاً عشق رسول ﷺ سے بیان میں ہزاروں عاشقان رسول ﷺ کے اجتماع میں سینکڑوں علماء و مفتیان کرام کی موجودگی میں دے چکے اور مفتیان کرام کی تصدیق سے غازی ممتاز حسین قادری کی رہائی کا فتویٰ صادر کر چکے ہیں۔ آپ اسے دیکھیں کہ علمی تحقیقی انداز میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کیا ہے؟ آپ اپنے قائد سے پوچھیں اتنی مدت گزر جانے کے باوجود آپ جواب کیوں نہیں دے رہے؟

ناموس رسالت جیسے حساس مسئلے پر اگر جواب نہ ملے تو آپ بھی قیادت کو جواب دیں کیونکہ قبر میں ایسی قیادت سے وفا کام نہیں آئے گی بلکہ رسالت سے وفا کام آئے گی۔



معروف امریکی جریدے واشنگٹن پوسٹ نے اپنی ایک اشاعت میں انکشاف کیا ہے کہ امریکی انتظامیہ کی جانب سے عراق، افغانستان اور یمن کے علاوہ پاکستان میں بھی جاسوسی کے نئے آلات نصب کئے جا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں امریکی انتظامیہ کی جانب سے افغانستان، یمن اور عراق میں ان جاسوسی آلات کے کنٹرول روہر کو مہم طور پر ایک امریکی ریاست میں تیار کیا جا رہا ہے جبکہ پاکستان میں بھاری اور حساس آلات کی نقل و حمل کے خطرے کے باعث مذکورہ کنٹرول روم اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے کے اندر قائم کیا جا رہا ہے۔

روزنامے کے مطابق امریکی انتظامیہ اور اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے مذکورہ منصوبے کو انتہائی خفیہ کئے کا بندوبست کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی محکمہ دفاع یا انتظامیہ کے کسی اعلیٰ عہدیدار نے تا حال اس سلسلے میں کوئی بیان جاری نہیں کیا ہے۔

دوسری جانب امریکی محکمہ دفاع کی جانب سے شروع کئے جانے والے مذکورہ منصوبے پر انتہائی تیزی سے کام جاری ہے اور اس سلسلے میں چاروں ممالک میں ایک فرم کی جانب سے اشتہارات بھی جاری کئے گئے ہیں جن کی زد سے امریکی شہریت کے حامل ان ممالک کے ایسے شہریوں کو مذکورہ منصوبے کے تحت کام کی دعوت دی گئی ہے جو امریکہ کے ساتھ وقاداری کے علاوہ واضح سیکورٹی ریکرڈ رکھتے ہوں۔

مذکورہ منصوبے کو انتہائی خفیہ رکھنے کی غرض سے محکمہ دفاع کی جانب سے شخص کیے گئے بجٹ اور اس سلسلے میں مختلف اداروں سے کئے جانے والے کنٹریکٹس میں بھی اسے سیکورٹی سسٹم کا نام دیا گیا ہے۔

کرنے کے سلسلے میں کیے گئے کنٹریکٹس کی زد سے پتہ چلا ہے کہ مذکورہ منصوبے کو پاکستان سمیت دیگر تین ممالک میں خفیہ جاسوسی کے لیے استعمال کیا جاسکے گا۔

اطلاعات کے مطابق ایک طرف اس سسٹم کے ذریعے ان ممالک میں موجود امریکی ایجنٹوں، اڈا جات، گاڑیوں اور مختلف مشینز پر کام کرنے والے مقامی ایجنٹوں اور دیگر مطلوبہ افراد کو گاڑیوں کی نگرانی کی جائے گی تو دوسری طرف ان آلات سے جاسوسی کا کام بھی لیا جاسکے گا۔

دستاویز کے مطابق جاسوسی اور نگرانی کی غرض سے لگائے جانے والے سسٹم میں بیوفورس ٹریکنگ نامی ٹیکنالوجی استعمال کی جائے گی جس میں ایک انتہائی چھوٹا ٹرانسمیٹر کسی بھی گاڑی، جہاز یا انسان میں لگایا جاسکے گا جو اپنے اندر سے نکلنے والے طاقتور ستائر کو گولیں پوزیشننگ سسٹم، سیٹلائٹ کے ذریعے ایک خاص کمپیوٹر ٹریک پہنچا سکے گا۔ مذکورہ کمپیوٹر ان سگنلز کی شناخت کے ذریعے کسی بھی ایسی چیز کا صحیح مقام بتا سکے گا جہاں پر یہ چھوٹا ریڈیو ٹرانسمیٹر لگایا گیا ہوگا۔ کانگریس میں پیش کئے جانے والے محکمہ دفاع کے 2012ء کی بجٹ دستاویز کے مطابق کہا گیا ہے کہ مذکورہ ٹیکنالوجی کا استعمال پاکستان اور دیگر ممالک میں کام کے دوران انتہائی مفید ہوگا اور کسی بھی شخص تک کسی بھی وقت پہنچنا ممکن ہوگا۔

مذکورہ ٹرانسمیٹر اتنے چھوٹے ہوں گے کہ دشمن کی جانب سے جاسوسوں، ایجنٹوں یا فوجیوں کو گرفتار کرنے کی صورت میں وہ اس ٹرانسمیٹر تک نہیں پہنچ پائیں گے جبکہ مذکورہ افراد فوری طور پر پاکستان یا دیگر ممالک میں قائم کمانڈ اینڈ کنٹرول سسٹم کو فوری مدد کی درخواست بھیج سکیں گے۔ اس طرح مذکورہ سسٹم کے ذریعے گرفتار کئے جانے والے جاسوسوں یا ایجنٹوں کا صحیح مقام معلوم کر کے کمانڈو آپریشن کے ذریعے انہیں مدد فراہم کی جاسکے گی۔ کانگریس میں پیش کی جانے والی بجٹ دستاویز کے مطابق ساڑھے نو ملین امریکی ڈالر کا بجٹ اگلے برس عراق میں مذکورہ ٹیکنالوجی کو استعمال کرنے میں خرچ کیا جائے گا۔

اگرچہ محکمہ دفاع کے ذرائع کی جانب سے اس سلسلے میں کوئی بیان جاری کرنے سے مکمل انکار کر دیا گیا ہے لیکن گزشتہ ماہ امریکی روزنامے واشنگٹن پوسٹ سے نام ظاہر کرنے کی شرط پر بات کرتے ہوئے محکمہ

دفاع کے ایک ترجمان کا کہنا تھا کہ محکمہ دفاع نہ تو اس بات کی وضاحت کرنے کا پابند ہے کہ اس کی جانب سے دیا گئے مختلف ممالک میں جاسوسی کے لئے کون سی ٹیکنالوجی استعمال کی جائے والی ہے اور نہ ہی وہ یہ بتانے کا کہ کن کن ممالک میں اس ٹیکنالوجی کو استعمال کیا جائے گا۔ واضح رہے کہ امریکی محکمہ دفاع کی جانب سے ماضی میں بھی انتہائی خاموشی سے اس قسم کے بڑے فیصلے کئے گئے ہیں۔

برطانوی روزنامے گارجین کے مطابق امریکی انتظامیہ کی جانب سے بغیر کسی قانونی اعلان کے پاکستانی علاقے میں قائم شہسی ایئر بیس کو ایک طویل عرصے تک استعمال کیا جا رہا ہے جبکہ بعد ازاں اس بات کا انکشاف ہونے کے بعد انتظامیہ کی جانب سے اسے متحدہ عرب امارات سے کرانے پر لینے کا انکشاف کیا گیا تھا۔ امریکہ کی طرف سے پاکستانی اداروں کی جانب سے شہسی ایئر بیس کو خالی کرنے کا مطالبہ یہ کہہ کر رد کر دیا گیا تھا کہ مذکورہ ایئر بیس متحدہ عرب امارات کی انتظامیہ سے حاصل کیا گیا تھا۔ 13 مئی 2011ء کو پارلیمنٹ میں ہونے والے ایک اجلاس میں پاکستانی ایئر فورس کے سربراہ قمر راؤ سلیمان کی جانب سے بھی اس بات کا انکشاف کیا گیا تھا کہ امریکی انتظامیہ کی جانب سے شہسی ایئر بیس متحدہ عرب امارات کی حکومت سے حاصل کیا گیا تھا۔

معروف جریدے ڈیویڈ ریپوسٹ کا واشنگٹن پوسٹ کے حوالے سے کہنا ہے کہ امریکی ریاست لوسیانا میں طویل طور پر چار ایسے بڑے دھاتی کمرے تعمیر کیے جا رہے ہیں جن میں مبینہ طور پر ان چار ممالک میں استعمال کیے جانے والے سیکورٹی اور جاسوسی کے نظام کا مکمل اینڈ کنٹرول سسٹم قائم کیا جائے گا۔ مذکورہ سسٹم پہلے 23 ملین یو ایس ڈالر سے زائد اخراجات آ رہے ہیں جبکہ اس منصوبے کو خفیہ ترین رکھنے کی غرض سے اس کا نام بغیر کسی بولی (مینڈر) کے ایک کمپنی کو دیا گیا تھا۔

اخبارات کے مطابق یمن اور افغانستان کے علاوہ مذکورہ مکمل اینڈ کنٹرول سسٹمز میں سے دو عراقی شہروں میں لگا کر لوک میں تعمیر کی گئی ایٹمی برائے براؤن میں لگائے جائیں گے جبکہ پاکستان میں اس سسٹم کو کنٹرول کرنے کے لیے اسلام آباد میں قائم امریکی سفارت خانے میں باقاعدہ ایک عمارت تعمیر کی جا رہی ہے۔

ریاست ٹیکساس کے شہر آسٹن میں قائم کمپنی Thermopylae Sciences and

Technology جو امریکی محکمہ دفاع کو دنیا بھر میں پھیلے اس کے سفارتی عملے کو محفوظ رکھنے کے لیے مختلف سسٹمز بنانے میں ٹیکنیکل مدد فراہم کرتی ہے کے ذرائع کا کہنا ہے کہ محکمہ دفاع کی جانب سے حاصل کئے جانے والے نئے سسٹم کے ذریعے مکمل اینڈ کنٹرول سسٹم میں بیٹھے افراد اس علاقے کی تھری ڈی تصاویر دیکھ پائیں گے اور اسی سسٹم کے ذریعے مذکورہ فتنوں تک رسائی آسان ہو جائے گی اور یوں وہ انتہائی تیزی سے معلومات کا تبادلہ کر سکیں گے۔ مذکورہ سسٹم ہی کے ذریعے ان سے میسجز اور دیگر کیوبی ٹیشنز کی سہولیات حاصل کی جاسکتی گی۔

بلیو فورس ٹریڈر کے مکمل اینڈ کنٹرول سسٹم کی غرض سے اسلام آباد میں قائم امریکی سفارت خانے میں 15 ملین امریکی ڈالر کی لاگت سے منصوبے پر کام جاری ہے جبکہ گزشتہ ماہ ہی آگوسٹ ڈیولپمنٹ ٹائی ایک کمپنی کی جانب سے جاری کئے جانے والے اشتہار میں ایسے افراد مانگے گئے تھے جو سیکورٹی اسپیشلسٹ ہوں اور بلیو فورس ٹریڈر سسٹم پر کام کرنے کے خواہش مند ہوں۔ مذکورہ اشتہار کے مطابق اس سسٹم پر کام کرنے والے افراد کو امریکی سفارت خانے سے تعلق رکھنے والے تمام افراد و اثاثہ جات کی نگرانی کرنی ہوگی اور اس سلسلے میں محکمہ دفاع کے رجسٹرل سیکورٹی آفیسر کو باخبر رکھنا ہوگا۔

افغانستان اور یمن میں بھی مذکورہ کمپنی کی جانب سے اسی قسم کے اشتہارات جاری کئے گئے تھے جن میں ایسے سیکورٹی اسپیشلسٹ مطلوب تھے جو صرف امریکی شہریت کے حامل ہوں اور صاف سیکورٹی بیگ گراؤنڈ رکھتے ہوں۔

فار بزمین کے مطابق 2008ء میں محکمہ دفاع کے اعلیٰ عہدیداروں کو بلیک وائٹر کی جانب سے سال 2005ء سے 2007ء تک قتل کئے جانے والے بے گناہ عراقی شہریوں کے حوالے سے کبھی جانے والی ایک خفیہ رپورٹ میں بھی اس قسم کی ویڈیو ریکارڈنگ ڈیوائس کا ذکر ہے جو امریکی فوجی گاڑیوں پر نصب کی گئی تھیں۔





☆ مسلمان کسے کہتے ہیں؟

● دین اسلام کی پیروی کرنے والے کو مسلمان کہتے ہیں۔

☆ اسلام کی بنیاد کن چیزوں پر ہے؟

● اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ ① اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے خاص بندے اور رسول ہیں ② نماز قائم کرنا ③ زکوٰۃ دینا ④ حج کرنا ⑤ ماہ رمضان کے روزے رکھنا۔

☆ اسلام کا کلمہ کیا ہے؟

● اسلام کا کلمہ یہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ

☆ ایمان کسے کہتے ہیں؟

● حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ہر بات میں سچا جانتا اور حضور (کی حقانیت) کو سچے دل سے ماننا ایمان ہے۔ جو اس بات کا اقرار کرے گا 'اے مسلمان جانیں گے۔

☆ بغیر مطلب کچھ صرف زبان سے کلمہ پڑھ لینے سے آدمی مسلمان ہو جاتا ہے یا نہیں؟

● اگر کوئی کلمہ کے معنی سمجھانے والا نہیں ہے یا بے بھی تو وہ معنی سمجھتا نہیں۔ اگر وہ زبان سے اتنا اقرار کرے کہ میں دین محمدی کو سچا جانتا اور اسے قبول کرتا ہوں تو وہ شخص مسلمان ٹھہرے گا۔

☆ جو لوگ اسلام کا اقرار نہ کریں وہ کون ہیں؟

● ایسے لوگوں کو جو اسلام کو سچا دین نہ مانیں 'کافر' کہا جاتا ہے۔

☆ مرتد کسے کہتے ہیں؟

● اسلام کا کلمہ پڑھ کر جو شخص زبان سے کلمہ نکالے اور اپنی بات پر اقرار ہے اور اس سے نفرت نہ کرے وہ

مرتد کہلاتا ہے۔

☆ منافق کون ہیں؟

● جو لوگ زبان سے اسلام کا کلمہ پڑھتے 'اپنے آپ کو مسلمان کہتے اور پھر دل میں اس سے انکار کرتے ہیں وہ منافق کہلاتے ہیں۔

☆ مشرک کسے کہتے ہیں؟

● جو لوگ خدا کے سوا کسی اور کو پوجتے یا خدا کے سوا کسی دوسرے کو بندگی کے قابل سمجھتے ہیں یا خدا کی حمد میں کسی کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں وہ مشرک ہیں۔

☆ دنیا کی کون کون سی قومیں مشرک ہیں؟

● جیسے ہندو جو بتوں کی پوجا پات کرتے ہیں اور بتوں کو خدا کی حمد میں شریک سمجھتے ہیں یا عیسائی اور یہودی یا پارسی وغیرہ جو دو یا تین خدا مانتے ہیں یہ سب مشرک ہیں۔

☆ کیا مسلمانوں میں مشرک ہوتے ہیں؟

● تو بہ تو بہ! مسلمان کس طرح مشرک ہو سکتا ہے؟ مسلمان خدا کو ایک سمجھتا ہے اور مشرک دوسروں کو خدا کا شریک ٹھہراتا ہے۔ جس طرح کسی مشرک کو مسلمان نہیں کہہ سکتے یونہی کسی مسلمان کو مشرک نہیں کہہ سکتے۔

☆ مسلمان کو مشرک کہنے والے کون لوگ ہیں؟

● کچھ نئے فرقے ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو بات بات پر مسلمانوں کو مشرک اور بدعتی کہتے ہیں 'یہ گمراہ دین ہیں۔ ان کے سامنے سے بھی دور رہنا ضروری ہے۔

☆ کیا کافر کو بھی کافر نہیں کہہ سکتے؟

● مسلمان کو مسلمان اور کافر کو کافر کہنا اور ماننا ضروری ہے۔ یہ بات محض غلط ہے کہ کافر نہیں کہنا چاہیے۔ خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کو کافر کہہ کر پکارا ہے وقل یا ایہا الکفارون لکنی اے کافر و!





قبرستانِ شاہی، لاہور



قبرستانِ شاہی، لاہور



قبرستانِ شاہی، لاہور



قبرستانِ شاہی، لاہور



قبرستانِ شاہی، لاہور



قبرستانِ شاہی، لاہور



خوشخبری

جنوری 2012 سے

فدائے خاندانِ نبوت پاکستان کے ترجمان

ماہانہ 80 صفحہ العاقب

کی نئی ممبرشپ کا آغاز ہو گیا ہے

ممبرشپ حاصل کرنے کے لیے سالانہ 425 روپے

مع نام ایڈریس اور موبائل نمبر جمع کروائیں

سائنس سوسائٹی جامع مسجد رحمتہ للعالمین

مدینہ کالونی نزد گرینڈ بیٹری سٹاپ متصل شیل پٹرول پمپ

چوک یتیم خانہ ملتان روڈ لاہور

0321-4370406/0314-4250505



سیف اللہ حضرت خالد بن ولیدؓ کی تلوار



سیدنا خالد بن ولیدؓ کی ترکی کے
لوہ کا پی سید زبیرؓ میں محفوظ تلوار



قبر مبارک کا ایک اور منظر



قبر مبارک سے نکالنے والی تلوار کی تصویر
مقام سے لے کر قبر مبارک کی طرف
دیکھ کر اس کی تصویر لے کر آ رہی ہیں۔

